ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

7

www.tanzeem.org

7 تا 13 جمادی الاوّل 1437ھ / 16 تا 22 فروری 2016ء

اس شمارے میں

ہم خُرما و ہم ثواب

قرآن مجید کے مخالف اور دشمن کا بدترین انجام

حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ......

اللہ کے لیے محبت کرنا

سنت کا مذاق نہ اُڑائیں

مظلوم قائدِاعظم

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ سے 14 سوال اور ان کے جوابات (آخری قسط)

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

انقلابی کارکنوں کا ایک اہم وصف

ملامت ومخالفت سے بے پروائی

راہ حق میں ملامت مخالفانہ بھی ہوتی ہے اور ناصحانہ بھی۔ لوگ ہمدرد بن کر کہتے ہیں: میاں اپنے کیریئر کی فکر کرو، کچھ تو اپنے مستقبل کا خیال کرو، اپنی اولاد کے متعلق سوچو، بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں —— تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ پاگل اور دیوانے ہوگئے ہو؟ کہ بس ایک دُھن تم پر سوار ہوگئی ہے، کچھ تو سوچو اور اپنے مستقبل کی فکر کرو۔ یہ ناصحانہ انداز کی مخالفت ہے۔ دوسری مخالفانہ انداز کی ملامت ہوتی ہے: شیخ چلی کے خواب دیکھ رہے ہو! صدیوں سے جمے جمائے نظام کو بدلنے کے لیے کھڑے ہورہے ہو؟ ہم نے اپنے آباءواجداد سے جو نظام ورثہ میں پایا ہے، اس کی مخالفت کر رہے ہو۔ کیا ہمارے اسلاف نادان تھے جو اس نظام کو قائم کر گئے اور کیا ہمارے موجودہ عمائدین وقائدین بیوقوف ہیں جو اس نظام کو چلا رہے ہیں؟ پھر ان کی سیادت وقیادت ہے، ان کا اثر ورسوخ ہے، ان کے ہاتھ میں قوت وطاقت ہے، ان کے مالی ومعاشی مفادات اس نظام سے وابستہ ہیں۔ تم مٹھی بھر سر پھرے کیا تیر مار لوگے؟ —— ان دونوں ملامتوں سے کوئی اثر لئے بغیر اپنی توانائیاں، اپنی قوتیں، اپنی صلاحیتیں اللہ کے دین کا بول بالا کرنے کے لیے لگانا، یہ ہے وہ اہم وصف جو سچے اہل ایمان میں ہونا ناگزیر ہے، جو غلبۂ دینِ حق کے لیے کوشاں ہوں۔

منہج انقلاب نبوی ﷺ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

الھدیٰ (693)

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ بَنِیٓ اِسْرَاءِیْل | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیات: 95 تا 97

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا
رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَّهْدِ
اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾

آیت ۹۵ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾﴾ ’’آپؐ فرمائیں کہ اگر زمین میں فرشتے (آباد ہوتے اور وہ) اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔‘‘

رسول کا کام ہے اللہ کے پیغام کو انسانوں تک پہنچانا‘ اس کی ایک ایک بات کو سمجھانا اور پھر اللہ کے احکام کے مطابق عمل کر کے اپنی زندگی کو ان کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنا۔ اب ظاہر ہے انسانوں کے لیے نمونہ تو ایک انسان ہی ہو سکتا ہے‘ فرشتہ تو ان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا۔ معاملہ چونکہ انسانوں کا ہے لہٰذا ان پر حجت قائم کرنے کے لیے لازماً کسی انسان ہی کو بطور رسول بھیجا جانا چاہیے تھا‘ سو ایسا ہی ہوا۔

آیت ۹۶ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔‘‘

ردّ و قدح بہت ہو چکی۔ اب میں یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں‘ جو میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اب وہی فیصلہ کرے گا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾﴾ ’’یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر نظر رکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۹۷ ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ﴾ ’’اور جسے اللہ ہدایت دیتا ہے بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے‘‘

﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ﴾ ’’اور جسے وہ گمراہ کر دے تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار اُس کے سوا۔‘‘

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ﴾ ’’اور ہم انہیں جمع کریں گے قیامت کے دن ان کے مونہوں کے بل (چلاتے ہوئے)‘ اندھے‘ گونگے اور بہرے۔‘‘

﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾﴾ ’’ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے ان کے لیے مزید بھڑکا دیا کریں گے۔‘‘

فرمان نبویؐ

قیامت کے دن لوگوں کے تین گروہ

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنِي ((أَنَّ النَّاسَ يُحْشَرُونَ ثَلَاثَةَ أَفْوَاجٍ فَوْجٌ رَاكِبِينَ طَاعِمِينَ كَاسِينَ وَفَوْجٌ تَسْحَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى وُجُوهِهِمْ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ وَفَوْجٌ يَمْشُونَ وَيَسْعَوْنَ يُلْقِي اللَّهُ الْآفَةَ عَلَى الظَّهْرِ فَلَا يَبْقَى حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَتَكُونُ لَهُ الْحَدِيقَةُ يُعْطِيهَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا)) (سنن نسائی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سچے اور سچے کہے گئے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے خداوند قدوس ان پر رحمت نازل فرمائے اور سلام نازل فرمائے مجھ سے ارشاد فرمایا: ’’(قیامت کے دن) لوگ تین قسم کے ہوں گے ایک طبقہ تو سوار ہوگا جو کہ کھاتے اور لباس (پہنتے جائیں گے) اور دوسرے طبقہ کو فرشتے ان کے چہروں کو الٹا کر کے ان کو دوزخ کی جانب گھسیٹ لیں گے اور ان کو دوزخ کی جانب لے کر جائیں گے اور تیسرا طبقہ وہ ہوگا جو کہ پاؤں سے چلے گا اور دوڑے گا خداوند قدوس سواریوں پر آفت ڈال دے گا ان کو سواری نہ مل سکے گی۔ یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس باغ ہوگا وہ ایک اونٹ کے عوض میں دے دے گا لیکن ان کو اونٹ نہیں ملے گا۔‘‘

تشریح: پہلا گروہ کامل مومنین کا ہوگا۔ دوسرا کفار و مشرکین کا اور تیسرا گناہ گار مسلمانوں کا ہوگا۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
7 تا 13 جمادی الاوّل 1437ھ جلد 25
16 تا 22 فروری 2016ء شمارہ 07
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فریداللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 12 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

ہم خُرما و ہم ثواب

جس طرح انسان کے جسم کا مدافعتی نظام کمزور پڑ جائے تو وہ مسلسل بیماریوں کا شکار رہتا ہے، اس لیے کہ مرض پیدا کرنے والے جراثیم جب بیرون سے حملہ آور ہوتے ہیں تو انسان کا اندرونی امیون سسٹم (Immun System) دفاع نہیں کر پاتا۔ اسی طرح کسی معاشرے کا اپنی ثقافت یا تہذیب سے تعلق کمزور پڑ جائے تو وہ معاشرہ لازماً کسی دوسری ثقافت کے اثرات قبول کرتا ہے۔ بعض اوقات غیروں کی ثقافت کی چھاپ معاشرہ پر اس قدر گہری ہو جاتی ہے اور وہ غیروں کی تہذیب کو یوں اپنا لیتا ہے کہ اُس معاشرہ کی اپنی ثقافت دم توڑ جاتی ہے اور اپنی تہذیب میں بد تہذیبی نظر آنے لگتی ہے۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جو معاشرہ ثقافتی اور تہذیبی لحاظ سے تہی دامن ہو وہ غالب اور زور آور تہذیب کو بڑی خوش دلی سے اور نعمت سمجھ کر اپناتا ہے۔ جبکہ وہ قوم جس کی ثقافتی ٹرین محض پٹڑی سے اُتر گئی ہو، وہ طویل عرصہ تک نیم دروں نیم بروں میں رہتی ہے اور صورت حال کچھ اس طرح کی بن جاتی ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ یہی معاملہ سیاسی نظام کا بھی ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس مضبوط اور مستحکم سیاسی نظام موجود ہے تو وہ کسی غیر قوم کے سیاسی نظام کو اپنے نظام میں دراڑ نہیں ڈالنے دے گا۔ پھر جب حاملین نظام اور مقتدر طبقات ذاتی مفادات کے لیے اور مزید اقتدار کی ہوس میں ڈنڈیاں مارنی شروع کر دیں، یعنی مقتدر طبقہ اپنے ہی نظام کو طے شدہ قواعد و ضوابط کے مطابق چلانے کی بجائے من مانی کارروائیاں کرنا شروع کر دیتا ہے تو نظام کمزور ہو جاتا ہے اور دوسرا نظام مکمل طور پر نہ سہی کسی نہ کسی سطح پر در آتا ہے۔

مذہب کا معاملہ بھی زیادہ مختلف نہیں ہے اس فرق کے ساتھ کہ مذہب فرد کے لیے انتہائی حساس اور جذباتی مسئلہ ہے۔ کسی فرد کا آبائی مذہب مکمل طور پر تبدیل کر کے دوسرا مذہب اختیار کر لینا بہت کم ہوتا ہے اور پوری ریاست کا بطور ریاست مذہب تبدیل کر لینا۔ یہ بھی انسانی تاریخ میں صرف ایک مرتبہ ہوا ہے۔ لیکن مسئلہ یہاں بھی وہی ہے جب اپنے مذہب سے انسان کا تعلق کمزور ہوتا ہے تو وہ قلبی سکون اور اطمینان کے لیے اکثریت کے مذہب سے یا زور آور کے مذہب سے بہت کچھ ادھار لے لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی شے کا تند و تیز بہاؤ ہر اُس چیز کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں اور جس کے پاؤں مضبوطی سے جمے نہیں ہوتے۔ ثقافتی سیاسی اور مذہبی طور پر اثر انداز ہونا اور اثر قبول کرنا ایک پیچیدہ عالمی مسئلہ ہے جو بحث طلب ہے۔ جگہ اور وقت کے محدود ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ ہمارا علم اور وژن بھی انتہائی کم تر اور محدود ہے۔ لہٰذا ہم اس بحث کو پاکستان اور زیادہ سے زیادہ برصغیر تک محدود رکھتے ہیں اور تاریخی لحاظ سے بھی ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال اور ہندوستان کے برطانوی سامراج کے تسلط میں آنے کے بعد مسلمانوں پر غیر مسلمانوں کے تہذیبی سیاسی اور مذہبی اثرات کو سپرد قلم کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا مقصد مسئلے کا علمی اور فلسفیانہ پہلو زیر بحث لانا نہیں بلکہ مسلمانانِ پاکستان کا ان تینوں پہلوؤں سے جائزہ لے کر "پس چہ باید کرد" پر خود کو فوکس کرنا ہے۔ یعنی عملی طور پر ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ آیئے پہلے جانیں کہ مسلمانانِ پاکستان کو حقیقت میں کون سا مرض لاحق ہو چکا ہے اور پھر اس کے علاج کو زیر بحث لائیں گے۔

ہم اسلامی ثقافت سے دور ہوئے، پردہ ختم ہوا یا کمزور پڑا، بزرگوں اور والدین کی خدمت مشینی دور کی نظر ہوئی

تو اُن کا احترام اور لحاظ بھی جاتا رہا پھر یہ کہ مصروفیت اخوت اور بھائی چارے کو نگل گئی۔ کتنا خوبصورت لفظ ہے ''ہم سایہ'' یعنی جس کا اور آپ کا سایہ بھی سانجھا ہے، اب اُس سے جان پہچان بھی کم ہے، ملنا جلنا نہ ہونے کے برابر ہے، دکھ سکھ سننا اور باہم بانٹنا بڑی دور کی بات ہے۔ دیوار بردیوار کے مکین جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو نظریں موبائل پر گاڑھی ہوتی ہیں اور اسی پر انگلیاں حرکت کر رہی ہوتی ہیں، کبھی کبھار نظریں مل جائیں تو سلام اور ہیلو ہائے کو گڈ مڈ کر لیتے ہیں یا گونگوں کی طرح ہاتھ کے اشارے سے ہی کام چلا لیتے ہیں۔ محنت اور محبت اپنے گھرانے یعنی بیوی بچوں کے لیے مخصوص ہوگئی اور اُن تک محدود ہوگئی۔ اپنے برطانوی آقاؤں کی پیروی میں سالگرہ اب ہماری ثقافت کا حصہ ہے۔ امیر اور بیوروکریٹس کے گھرانوں پر تو شاید وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔ سالگرہ میں ہم موم بتیوں کو انگریزی کیک کے اوپر چڑھا دیتے ہیں۔ کوئی حادثہ ہو جائے تو ہم حادثہ گاہ پر موم بتیاں لے کر اجتماعی طور پر کھڑے ہو جاتے ہیں حالانکہ اسلام ترغیب دیتا ہے اور خبردار کرتا ہے کہ آگ سے خود کو بچاؤ لیکن ہم خوشی اور غمی دونوں مواقع پر آگ کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ بہرحال اسلامی ثقافت سے ہمارا تعلق کمزور پڑا تو کسی بدکار پادری کی یاد میں ہم 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں اور کسی ہندو کی یاد میں بسنت پر پتنگیں اُڑاتے ہیں۔

سیاسی لحاظ سے مسلمان کے کمزور پڑنے کی وجہ نظام خلافت سے نظام ملوکیت میں منتقل ہونا اور پھر مغربی جمہوریت کو سیاسی اوڑھنا بچھونا بنا لینا تھا۔ سیاست کا تعلق چونکہ براہ راست اختیار اور اقتدار سے تھا لہٰذا مغربی جمہوریت کو ہم نے نظامِ خلافت کے خاتمے پر اپنی مرضی سے لیا اور دوسروں کے جبر سے اسے اپنے ایمان کا حصہ بھی بنایا۔ اس وقت پاکستان میں شاید ہی کوئی مجاہد کسی عوامی اجتماع میں یا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا سامنا کرتے ہوئے جمہوریت سے انحراف کی بات کرے یا نظام خلافت کے حق میں آواز اٹھائے۔ سیاسی نظام کے حوالے سے اب اسلامی نکتۂ نظر کے مطابق حق یا ناحق کی بات نہیں کی جاتی بلکہ حزب اقتدار ہے اور حزب اختلاف ہے۔ آپ کا تعلق اگر ایوان اقتدار سے ہے تو حکومت مستقل طور پر حق پر ہے اور اگر آپ اپوزیشن میں ہیں تو آپ کا کام صرف مخالفت کرنا ہے۔ حق یا ناحق زیر بحث نہیں ہوگا۔ آج پارلیمنٹ میں کھڑا ہو کر سرکاری جماعت کا نمائندہ یہ نہیں پوچھ سکتا کہ وزیراعظم صاحب آپ اتنے موٹے تازے اور چوڑے چکلے ہیں ،آپ کا کُرتا ایک چادر سے کیسے بن گیا بلکہ یہ نمائندہ دلائل سے ثابت کرے گا کہ دو چادریں ہی وزیراعظم کا حق ہے۔ اس سے ساری قوم اگر ننگی ہوتی ہے تو ہو جائے، یہ جمہوریت کا حسن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم نظام خلافت سے تائب ہو کر اُس مثالی اور بے نظیر نظام کے ثمرات سے محروم ہوئے ہیں تو جمہوریت کی بھی وہ قسم ہم نے اپنائی ہے جس کی مثال شاید ہی دنیا میں کہیں ملتی ہو۔ گویا ہم نظام خلافت کو چھوڑ کر نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ اب آیئے مذہب کی طرف مذہب سے تعلق کمزور ہوا تو بدعات کا طومار خود پر لاد لیا۔ نہ ہمارا جینا عین اسلام کے مطابق ہے اور نہ مرنا، کوئی صرف جمعہ کی نماز ادا کر کے مطمئن ہے، جیسے اتوار کو عیسائی گرجا گھر جاتے ہیں، کہیں اذان میں ملاوٹ ہے۔ مرید پیر صاحب سے صرف یہ پوچھتا ہے کہ کس طرح کا ''ذکر'' کروں تو دکانداری بڑھ جائے گی، شادی بیاہ تو اور بات ہے مرگ پر بھی ہم نے ہندو رسوم کو اسلامی نام دے کر اپنا لیا ہے۔ شادی ہو تو لڑکی کو رخصتی کے وقت قرآن کے نیچے سے گزارتے ہیں اور قریب المرگ مریض کے سرہانے بیٹھ کر یٰسین پڑھتے ہیں۔ مذہب کے حوالے سے حتمی اور آخری بات یہ ہے کہ فرض کا تارک الحاد کی طرف بڑھتا ہے اور سنت کا تارک بدعت کو اپناتا ہے۔ بدعات وہ مراسم عبودیت ہیں جو انسان دوسرے مذاہب سے اُدھار لے کر اپنے مذہب کو اپنی نفسانی خواہشات کے تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کے حوالہ سے یہ کہ مذہب میں اُن چیزوں کا اضافہ کر لینا جو آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہوں حالانکہ اُس دور میں ایسا کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی اور یہ صرف اُس وقت ممکن ہوتا ہے جب مذہب سے ہمارا تعلق کمزور پڑتا ہے۔

''پس چہ باید کرد'' کا جواب وہی پرانا جواب ہے لیکن جتنا پرانا ہے اُس سے کہیں بڑھ کر حتمی ہے۔ فرد، گروہ اور ریاست کی سطح پر ایک ہی جواب ہے، مسلمان ہی نہیں مومن بنو، قرآن کو اپنا امام بناؤ، سنت کو اپناؤ، حدیث مبارک کو سنو اور عمل کرو۔ اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اکیلا شخص کیا کر سکتا ہے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ فرد قطرہ اور ریاست دریا ہے۔ یہ قطرہ اگر پاک ہو یعنی فرد اللہ کا بندہ ہے یا بندہ بننے کی سنجیدہ کوشش کرتا رہے تو اُس نے اپنا پہلا فرض ادا کر لیا اب اُسے معاشرہ اور ریاست کو مسلمان بنانے کی بھرپور کوشش کرنا ہوگی وگرنہ وہ بھی اپنے اسلام پر صحیح طور پر قائم نہیں رہ سکے گا۔ یہ نفس اور شیطان کی اُپچ ہے کہ تمہارے کرنے سے کیا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ میرے کرنے سے اگر دنیا میں کچھ نہ ہوا تو آخرت کا اجر اور جنت کا وعدہ تو اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ دنیا میں اگر مطلوبہ نتائج برآمد ہوں تو ہم فرما و ہم ثواب کا معاملہ ہے۔ لہٰذا ہم پاکستانی مسلمانوں سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جن کے ملک کا استحکام اسلام سے جڑا ہوا ہے۔ لہٰذا خود مسلمان بنو، ریاست کو مسلمان بنانے کی کوشش کرو۔ (یاد رہے اس حوالہ سے مسلمان صرف اس بات کا جواب دہ ہے کہ اُس نے سنجیدگی اور خلوص سے کوشش کی یا نہیں) اللہ رب العزت کا فضل شامل حال ہوگا اور آخرت بھی سنور جائے گی اور یہی حقیقی کامیابی ہے اور اگر ہم حقیقی مسلمان نہیں بنتے، نظریۂ پاکستان کی عملی تعبیر سامنے نہیں آتی تو پاکستان کی نہیں دنیا کی تمام قوتیں بھی پاکستان کو لسانی اور صوبائی تعصّبات سے نہیں بچا سکتیں۔ فرقہ واریت کا خاتمہ ممکن نہیں ہوگا۔ دہشت گردی کو جواز ملتا رہے گا۔ ہماری گردنیں غلامی کے پھندے سے آزاد نہیں ہو سکتی اور تباہی و بربادی ہمارا مقدر ہوگی۔ لبرل ازم پر جتنا اصرار کرو گے، سندھی قوم پرستی اتنی ہی اُبھرے گی، مہاجر اور مقامی کی جنگ اُتنی ہی تیز ہوگی۔ شیعہ، سنی مفاہمت ممکن نہیں رہے گی۔ بلوچستان کو امن کا گہوارہ بنانا خواب ہی رہے گا۔ چھوٹے صوبوں کی پنجاب سے نفرت بڑھتی چلی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نعرے نے پاکستان کے قیام کا جواز فراہم کیا تھا۔ اسلام ہی کا نفاذ پاکستان کے استحکام کا باعث بن سکتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ

OOOOO

قرآنی آیات بنی نوعِ انسان کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہیں

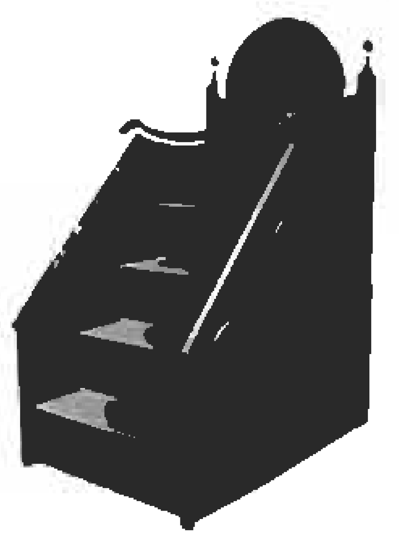

قرآن مجید کے مخالف اور دشمن کا بدترین انجام

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید ﷾ کے 29 جنوری 2016ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

سورۃ المدثر ہمارے زیر مطالعہ ہے اور اس کی ابتدائی دس آیات کا مطالعہ ہم گزشتہ جمعہ کر چکے ہیں۔

سورت کے آغاز میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو خبردار کیجیے اور اپنے رب کی بڑائی کو عملاً نافذ کیجیے۔

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ آیت 2 اور 3 میں رسالت کی اہم ذمہ داری کو بیان کر دیا گیا بایں طور کہ انذارِ آخرت اس ذمہ داری کا آغاز ہے اور اس کا منتہائے مقصود دنیا میں اللہ کو بڑا کر کے دکھانا ہے۔

ہر نبی اور رسول نے اپنی دعوت کا آغاز انذار یعنی لوگوں کو آخرت کے حوالے سے خبردار کرنے سے کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس دنیا میں اس قدر مگن ہو جاتے ہیں کہ وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بس اسی دنیا پر خاتمہ ہے اور ہمارا کوئی خالق و مالک نہیں ہے۔ اس صورت حال میں نبی اور رسول آ کر انہیں بتاتا ہے کہ ہمارا ایک خالق و مالک ہے جس نے ہمیں تھوڑے سے وقت کے لیے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ یہ دنیوی زندگی اصل زندگی کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے اور اس کی حیثیت تو امتحانی وقفہ کی ہے، یعنی یہاں ہمارا امتحان ہو رہا ہے۔ چنانچہ کسی کو اللہ نے دے کر آزمایا ہے اور کسی سے لے کر آزمایا ہے۔ ہر چیز یہاں نوٹ ہو رہی ہے اور ایک ایک عمل کا اللہ کے ہاں جا کر حساب ہو گا اور پھر معین ہو گا کہ کون کامیاب ہے اور کون ناکام۔ لہٰذا اس زندگی کے بجائے اصل زندگی کی فکر کرو جس کی ناکامی بہت بڑی اور ابدی ناکامی ہے۔ یہ ہے انذار جو ہر رسول و نبی کی دعوت کا آغاز ہوتا تھا۔

آیت 2 میں رسول ﷺ کی دعوت کے آغاز کا بیان تھا اور آیت 3 میں رسول کے مشن کی انتہا کے بارے میں فرمایا کہ اپنے رب کی بڑائی کو عملاً نافذ کرو! اب دیکھنا یہ ہے کہ زبان سے اللہ اکبر کا نعرہ لگانے کے ساتھ کیا ہم اپنے عمل سے بھی ثابت کر رہے ہیں کہ واقعی اللہ بڑا ہے۔

اس زمین پر ایسے لوگ بھی ہیں جو زبان سے بھی اللہ کو بڑا نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم بڑے ہیں اور اس زمین پر ہماری بات چلے گی۔ ان کے مقابلے میں کچھ اللہ کے وفادار ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ اب اللہ کے وفاداروں کے لیے چیلنج ہے کہ وہ یا تو ان باغیانِ خدا کی بالادستی کو قبول کریں یا اُن سے کہیں کہ درحقیقت رب ہی بڑا ہے اور تم اللہ کے باغی ہو اور پھر اللہ کی بڑائی کو عملاً ثابت کر کے بھی دکھائیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ جو اللہ کے باغی ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں۔ قرآن نے تو صاف کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ تمہارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اس کے باوجود اگر ہم ان

مرتب: حافظ محمد زاھد

کے ایجنڈے پر چلیں اور زبان سے واشگاف انداز میں اللہ اکبر کے نعرے بھی لگا رہے ہوں تو ہمیں اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔

اب آگے چلتے ہیں، آیت 10 تک ہم مطالعہ کر چکے تھے اور اب ہم آیت 11 سے مطالعہ کا آغاز کرتے ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ سورۃ المزمل میں بھی حضور ﷺ کو تسلی دی گئی تھی کہ آپ کفار و مشرکین کی فکر نہ کیجیے، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ان سے نمٹنے کے لیے میں ہی کافی ہوں۔ یہاں بھی آنحضور ﷺ کو اسی انداز سے دلاسا دیا گیا:

﴿ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ ....﴾

''آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا...........''

اکثر مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں سردارانِ قریش میں سے ایک خاص شخص ''ولید بن مغیرہ'' کا تذکرہ ہے اور قرآن نے اسے معین کر کے بہت بڑا مجرم قرار دیا ہے۔ اگلی آیات میں اس کے بارے میں گفتگو چل رہی ہے۔

اس آیت کے حوالے سے مفسرین نے دو طرح کا مفہوم اخذ کیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ اس کی خلقت میں کوئی اور شریک نہیں ہے، جیسے میں نے سب کو پیدا کیا۔ اسی طرح میں نے ہی اس کو پیدا کیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب یہ آیا تھا تو تنہا تھا اور اس وقت اس کے ساتھ مال و اسباب نہیں تھے، لیکن اب یہ اپنے علاقے کا بہت بڑا سردار ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں فرمایا:

﴿وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾﴾

''اور اسے میں نے بہت سا مال دیا پھیلا ہوا اور نگاہوں کے سامنے رہنے والے بیٹے دیے۔''

یعنی اس کا کاروبار بہت وسیع ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے بکثرت دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ پھر اللہ نے اس کو 10، 12 بیٹے بھی دیے تھے اور قبائلی زندگی میں جوان بیٹوں کا ہونا عزت اور شرف کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بیٹوں میں حضرت خالد بن ولید ؓ بھی ہیں، جنہیں اللہ نے بہت اونچا مقام عطا کیا اور انہیں ''سیف اللہ'' کا لقب ملا۔

زیر مطالعہ آیت میں خصوصی طور پر ''نگاہوں کے سامنے رہنے والے بیٹوں'' کا تذکرہ کیا گیا، اس کی وجہ بانی محترمؒ یہ بیان کیا کرتے تھے کہ بیٹوں کا سامنے موجود ہونا انسان کے لیے راحت اور خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ انہیں ہو گا جو اپنے بیٹوں کو ایکسپورٹ کر چکے ہیں۔ والدین بوڑھے ہیں، لیکن وہ بیٹوں کے ہونے

کے باوجود تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک بیٹا آسٹریلیا میں ہے‘ ایک امریکہ میں ہے‘ ایک لندن میں ہے۔ چنانچہ بیٹے تو ہیں لیکن سامنے نہیں ہیں۔

﴿وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ⑭ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ⑮﴾

”اور میں نے اس کے لیے ہر قسم کا سامان خوب اچھی طرح سے تیار کر دیا۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ میں اسے اور بھی دوں!“

اللہ تعالیٰ نے دنیوی ترقی کے سارے اسباب اس کو عطا کیے‘ لیکن اس کے باوجود اس کی ہوس ختم نہیں ہوئی اور وہ چاہتا ہے کہ اسے اور دیا جائے۔ جبکہ اس کا اپنا رویہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات کا دشمن بنا ہوا ہے:

﴿كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ⑯﴾

”ہرگز نہیں! وہ تو ہماری آیات کا مخالف (اور دشمن بن گیا) ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کا سب سے بڑا مظہر یہ کتاب ہدایت، یہ قرآن اور یہ وحی ہے جو آنحضور ﷺ پر نازل ہو رہی ہے۔ یہ نوع انسانی کے لیے اللہ کا سب سے بڑا احسان‘ سب سے بڑا تحفہ اور سب سے بڑی نعمت ہے، لیکن یہ بدبخت اس کا دشمن بن گیا ہے اور اس کا مذاق اڑاتا ہے تو اس کا انجام یہ ہوگا:

﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ⑰﴾

”میں اسے عنقریب ایک سخت چڑھائی چڑھواؤں گا۔“

یعنی آگے بڑے سخت مراحل سے اس کو گزرنا ہوگا۔ عذاب جہنم میں سے ایک یہ بھی ہوگا کہ کسی شخص کو پہاڑ پر چڑھنے کو کہا جائے گا اور وہ گھسٹتا گھسٹتا بڑی مشکل سے چوٹی پر پہنچے گا تو اسے وہاں سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا جائے گا اور پھر کہا جائے گا کہ از سر نو چڑھو۔ بہرحال جہنم کے اندر عذاب کی مختلف شکلیں ہوں گی اور زیر مطالعہ آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپؐ پریشان نہ ہوں، میں اس سے نمٹوں گا اور انتہائی سخت عذاب سے اسے دوچار کروں گا۔

اب آگے ایک خاص واقعہ کا تذکرہ ہے جس کے اوپر اللہ نے سخت ترین تبصرہ کیا ہے۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب آنحضور ﷺ نے دعوت شروع کی اور قرآن مجید کی آیات لوگوں کو سنانا شروع کیں تو عربوں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ غیر معمولی کلام ہے اور اس کے اندر بڑا اثر ہے اور ایسے کلام کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف یہ تھا کہ قریش نے بیت اللہ میں بت پرستی کا باقاعدہ نظام بنایا ہوا تھا اور بت پرستی کے اسی نظام کی وجہ سے ان کی چودھراہٹ قائم تھی‘ سارے نذرانے اِدھر آتے تھے اور ان کے قافلوں پر کوئی حملہ بھی نہیں کرتا تھا۔ اس ضمن میں انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ اگر ہم رسول اللہ (ﷺ) کی بات مان لیں اور ان کی دعوت قبول کر لیں تو اس سے ہمارا پورا نظام تہس نہس ہو جائے گا۔

اس صورت حال میں جب حج کا موسم قریب آیا تو سردارانِ قریش سر جوڑ کر بیٹھے کہ اب دوسرے قبائل کے لوگ آئیں گے اور محمد (ﷺ) ان تک بھی اپنا پیغام پہنچائیں گے اور ان کی باتوں میں بڑا اثر بھی ہے‘ تو کہیں یہ نہ ہو جائے کہ لوگ ان کی باتوں میں آ جائیں۔ چنانچہ پہلے سے ایک پروپیگنڈا تیار کیا جائے اور محمد (ﷺ) کے بارے میں ایک متفقہ رائے قائم کی جائے۔ چنانچہ اس بارے میں مشورہ کرنے کے لیے پوری مجلس شوریٰ بیٹھی ہے اور ان میں ولید بن مغیرہ بھی ہے۔ ایک رائے یہ دی گئی کہ ہم یہ کہیں کہ یہ شاعر ہے! ولید بن مغیرہ نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ شاعر ہے۔ اس لیے کہ شاعروں کو تو میں خوب جانتا ہوں‘ لیکن یہ ان سے مختلف ہے۔ پھر یہ رائے دی گئی کہ ہم کہیں کہ یہ کاہن ہیں؟ اُس نے کہا: نہیں‘ اس لیے کہ اس کے کردار و اخلاق اور کاہنوں کے کردار و اخلاق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر مجنون اور پاگل کی بات کی گئی تو اس نے کہا: نہیں‘ ان کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ کوئی شخص کہہ سکے کہ یہ پاگل ہے۔

مشاورت چل رہی تھی تو ابوجہل نے کہا کہ کچھ طے کر کے اُٹھو۔ اسے اندازہ ہوا کہ ولید بن مغیرہ محمد

پریس ریلیز 12 فروری 2016ء

ویلنٹائن ڈے کی تقریبات پر صرف اسلام آباد میں نہیں بلکہ پورے ملک میں پابندی عائد کی جائے

کلمہ طیبہ کی بنیاد پر بننے والے ملک میں فحاشی اور بے حیائی کی ترغیب دینے والے اشتہار مسلمان معاشرہ کی اخلاقی اقدار کو تباہ کر رہے ہیں

حافظ عاکف سعید

ویلنٹائن ڈے کی تقریبات پر صرف اسلام آباد میں نہیں بلکہ پورے ملک میں پابندی عائد کی جائے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ اسلام آباد میں ویلنٹائن ڈے کی تقریبات پر پابندی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا دیر آید درست آید۔ لیکن اس پابندی کو صرف اسلام آباد تک محدود رکھنا ناقابل فہم ہے۔ ویلنٹائن ڈے غیر مسلموں کا ایک تہوار ہے جو بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ میڈیا خصوصاً الیکٹرانک میڈیا ریٹنگ اور پیسہ کمانے کے لیے جس طرح عریانی اور فحاشی کو پھیلا رہا ہے یہ قابل مذمت اور شرمناک ہے۔ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر بننے والے ملک میں فحاشی اور بے حیائی کی ترغیب دینے والے اشتہار مسلمان معاشرہ کی اخلاقی اقدار کو تباہ کر رہے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس انور ظہیر جمالی کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ تھانوں کا بکنا اور کرپشن کا معاشرے میں کینسر کی صورت اختیار کر جانا قابل تشویش ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ سود، فحاشی، کرپشن اور بددیانتی کو عام کرنے والا ہمارا یہ نظام اب زیادہ دیر قائم نہیں رہنا چاہیے وگرنہ قوم کو بحیثیت مجموعی تباہ کن نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہمیں جلد از جلد اس نظام سے نجات حاصل کر کے اسلام کا عادلانہ نظام رائج کرنا ہوگا تاکہ پاکستان قائم رہ سکے اور مستحکم بھی ہو۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

(ﷺ) اور ان کے کلام کے لیے کچھ نرم رویہ رکھتا ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی محمد (ﷺ) کے سحر میں آ جائے۔ ابوجہل نے زور دے کر ولید بن مغیرہ سے کہا کہ تم کوئی ایک رائے تو بناؤ' ورنہ سب لوگ اس کی بات ماننا شروع کر دیں گے۔ اس پر ولید بن مغیرہ کی جو کیفیات تھیں' اسے قرآن نے یہاں بڑی خوبصورتی سے الفاظ کی شکل دی ہے:

﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾﴾

''اس نے غور کیا اور کچھ اندازہ کیا۔''

سب کی نگاہیں اس کی طرف ہیں اور وہ سوچ کے اندر مبتلا ہے' جیسے کوئی بہت بڑا مدبر اور مفکر ہوتا ہے۔

﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾﴾

''پس ہلاک ہو جائے' اُس نے کیسا غلط اندازہ ٹھہرایا۔''

آخر میں اس نے جو بات کہی ہے اور جو فیصلہ دیا' اس پر اس کے لیے ہلاکت ہی ہے۔

﴿ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾﴾

''پھر ہلاک ہو جائے' اس نے کیسا غلط اندازہ ٹھہرایا۔ پھر اُس نے دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر اُس نے کہا کہ یہ تو بس جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ نہیں ہے مگر انسان کا کلام۔''

اُس نے کہا کہ نعوذ باللہ یہ شخص جادوگر ہے اور یہ قرآن جادوگر کا کلام ہے۔ یہ اللہ کا نہیں' بلکہ سحر شدہ انسان کا کلام ہے۔ اسے اس لیے بھی یہ کہنا پڑا تاکہ کوئی اس کے بارے میں غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائے کہ وہ بھی اس کلام کو اللہ کا کلام سمجھ رہا ہے۔ اس نے اپنی پوزیشن صاف کر لی' اس لیے کہ چودھراہٹ کا مسئلہ تھا۔ ورنہ اندر سے اسے بھی یقین تھا کہ یہ کلام واقعی حق ہے۔ بانی محترم فرمایا کرتے تھے کہ یہ سردارانِ قریش کا منافق تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ سخت کلام کیا ہے۔

﴿سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾﴾

''میں عنقریب اسے ڈالوں گا سقر (دوزخ) میں! اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ سقر کیا ہے؟ وہ نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی! انسان کی کھال کو جھلسا ڈالنے والی۔ اس پر انیس (19) داروغے مقرر ہیں۔''

یہاں پر جہنم کے 19 داروغوں کا ذکر ہوا تو اس پر بھی مشرکین مکہ اور سردارانِ قریش کو مذاق اڑانے کا موقع مل گیا کہ 19 کا تو کوئی اتنا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ابوجہل نے لوگوں کو اکٹھا کر کے پوچھا کہ تم میں سے کون کتنوں کو سنبھال لے گا۔ ایک بڑا پہلوان وہاں موجود تھا تو اس نے کہا کہ 17 کو تو میں سنبھال لوں گا' باقی دو کی فکر تم کرو۔ اب یہ لفظ 19 کے حوالے سے مذاق بن رہے ہیں۔

﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۠ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ﴾

''اور ہم نے نہیں مقرر کیے جہنم کے داروغے مگر فرشتے اور ہم نے نہیں ٹھہرائی ان کی یہ تعداد مگر کافروں کی آزمائش کے لیے۔''

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات میں بھی جہنم کے 19 داروغوں کا تذکرہ ہے تو قرآن میں بھی داروغۂ جہنم کی تعداد کا تذکرہ کر کے کافروں کو آزمائش میں ڈال دیا گیا اور اس کے ذریعے سے وہ اور زیادہ حق سے دور ہو رہے ہیں اور اپنا خبث باطن ظاہر کر رہے ہیں کہ ان کے اندر اللہ' اسلام اور قرآن کے خلاف کتنا کینہ بھرا ہوا ہے۔

﴿لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ﴾

''تاکہ جنہیں کتاب دی گئی تھی انہیں یقین آ جائے اور جو اہل ایمان ہیں وہ ایمان میں بڑھیں' اور نہ شک میں پڑیں اہل کتاب اور اہل ایمان' اور تاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار بھی کہ بھلا اس سے اللہ کی کیا مراد ہے؟''

کفار کے لیے تو یہ آزمائش بن گئی لیکن سرزمین عرب میں رہنے والے اہل کتاب جب یہ بات سنیں گے تو انہیں یقین آئے گا کہ ہاں واقعی یہ قرآن بھی اللہ کی کتاب ہے اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ تورات میں بھی 19 کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح سچے اہل ایمان کو بھی قطعاً کسی قسم کا کوئی اشکال لاحق نہیں ہوا اور نہ کوئی سوال ان کے ذہنوں میں آیا' بلکہ ان کا یقین اور پختہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ اس قسم کی صورت حال میں' جن کے اندر پہلے سے گند ہوتا ہے تو اس کا گند نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی آج کل جو بڑے بڑے دانشور بنے پھرتے ہیں' وہ بھی قرآن و حدیث پر اس قسم کے بہت سے اعتراضات کرتے ہیں اور اس سے ان کا خبث باطن بڑھ کر اور نمایاں ہو رہا ہے۔ یہ دنیا میں تو آزمائش ہے ہی' لیکن وہ اپنے لیے آخرت کو سخت سے سخت تر بنا رہے ہیں۔ دنیا میں اللہ نے ان کی رسی دراز کی ہوئی ہے کہ جتنا ان کے باطن کے اندر خباثت اور گند بھرا ہوا ہے' وہ خوب واضح ہو اور پھر یہ سخت ترین عذاب کے مستحق بنیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا اس آزمائش سے مقصد! چنانچہ اہل ایمان کو ان باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾

''اسی طرح اللہ گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

یہ قرآن پڑھ کر اور سمجھ کر کچھ لوگوں کے ایمان میں اضافہ ہو رہا ہے اور جو بد باطن ہیں' ان کا خبث اور بڑھ رہا ہے اور وہ اس قسم کی چیزوں کو بنیاد بنا کر اپنی غلط روی کے لیے گویا جواز بنا لیتے ہیں اور اس میں اور آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ﴾

''اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو سوائے اُس کے۔''

کفار نے جو تبصرے کیے کہ 19 کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اور ان سے نمٹنا تو آسان ہے تو اس حوالے سے فرمایا کہ وہ فرشتے ہے اور ایک فرشتے میں کتنی قوت ہے اس کا تو تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔

﴿وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾﴾

''اور یہ آیات انسانوں کی یاد دہانی کے لیے ہیں۔''

اس واقعہ کے آخر میں نتیجہ نکالنے کے انداز میں بتا دیا کہ یہ قرآنی آیات تذکیر و موعظت اور یاد دہانی کے لیے ہیں' تاکہ بنی نوع انسان اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنا قبلہ درست کر لیں۔ اور اُخروی کامیابی اور ناکامی سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی آیات سے تذکیر حاصل کرنے اور اس کی تعلیمات پر اس کی روح کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

دنیا آج بے رحم درندوں اور پاگلوں کا ایک جنگل بن چکی ہے۔ شام کے 15 محصور علاقوں میں خوراک کی قلت سے جاں بلب مسلمان۔ ایک طرف خود مشرق وسطیٰ و دیگر مسلمان خوشحالوں، خوش باشوں کے ہاں مجموعی طور پر ٹنوں کھانا ضیافتوں سے بچ کر کوڑے کے ڈھیر پر پڑا ضائع ہوتا ہے۔ دوسری طرف کتے، بلیاں، درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہمارے ہی یہ بھائی! ہم مسلمان رہے کب؟ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کے کھائے اور اس کا پڑوسی جو اس کے پہلو میں رہتا ہو بھوکا رہے۔ (مشکوٰۃ)۔ گلوبل ویلج کی سمٹی پہلو بہ پہلو دنیا میں بھوک افلاس کے یہ جزیرے ہم سے سوالی ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ شامی دربدر۔ یخ بستہ سمندروں میں ڈوبتے، یورپ کے در پر دھکے کھاتے، دھتکارے جاتے لاکھوں بے خانماں۔ بچے کھچے شام میں بموں کی کاشت کا فریضہ انجام دیتے باری باری ہمہ نوع کفر کے جہاز! خونچکاں ملک میں سب کچھ لوٹ لینے، ادھیڑ ڈالنے کے باوجود اوباما نے 65 ملکوں کے اتحاد بمقابلہ شام (!) کی بات کیوں کی.....؟ (اوباما کے کھانے کے دانت شام میں اور دکھانے کے دانت امریکہ کی مسجد میں دیکھیے!)

مسلمان الملحمۃ الکبریٰ بارے احادیث میں مذکور شام میں لڑی جانے والی بہت بڑی جنگ سے لاعلم بے خبر بیٹھا ہے۔ (یہ خلافت عثمانیہ تک کے دور کا شام ہے، لبنان، اردن، شام اور فلسطین و اسرائیل پر مبنی) جس جنگ کو امریکہ، بش، صیہونی عیسائیوں، یہودیوں کے گٹھ جوڑ نے پورے سیاسی مذہبی جنون سے شروع کیا، ہم آج اس جنگ کے شعلوں کی تپش کی لپیٹ میں پوری مسلم دنیا کو دیکھ رہے ہیں۔ ان کے ہاں یہ جنگ ہرمجدون (Armagadon) کہلاتی ہے۔ گریٹر اسرائیل، دجال کی حکمرانی کی طرف لے کر جانے والی۔ ہم احمق بنے دجال کے اس لشکر کے اتحادی بنے منہ اٹھائے بگٹٹ آگ سے کھیلنے چلے جا رہے ہیں! اُدھر فلسطین، انہی جنگوں کا مرکز دیکھیے۔ غزہ اسباب و اموال سے بھری دنیا میں ایک اور شعب ابی طالب ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی کی جدید آسائشوں سے بھری دنیا میں، اسرائیل کے ہاتھوں اجاڑے گئے فلسطینی، دھات کے گھروں سے نوازے گئے! یہ گھر سردیوں میں برف زار اور گرمیوں میں جہنم کدے! تعلیم سے محروم، بنیادی انسانی ضروریات خوراک سے محروم لاکھوں بچے۔ یورپ میں 10 ہزار پناہ گزین شامی بچے جرائم پیشہ گروہوں کے ہتھے چڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ غائب ہو گئے ہیں! یہ والدین سے بچھڑے بے سہارا بچے ہیں۔ صرف سویڈن میں ایسے 23 ہزار سے زائد بچوں کی پناہ کی درخواستیں موصول ہوئی تھیں۔

دنیا بھر میں یہ سب مسلمان بچوں کا مقدر اور ہمارے ہاں.....؟ ایدھی کے اشتہار کہ نومولود (حرام) بچے نہ ماریں انہیں بلقیس ایدھی کے جھولوں میں ڈال دیں۔ روشن خیالی کے دور میں پاکستان کو دھکیلنے کے بعد ایسے بچوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو چکا۔ ہم ترقی کے عالمی پیمانوں پر پورے اتر رہے ہیں کیونکہ ترقی یافتہ ممالک میں 2016ء میں اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ 47 فیصد بچے غیر شادی شدہ والدین کے ہاں پیدا ہوں گے۔ حوصلہ ہو تو ذرا مغربی ممالک میں ان بچوں کی تعداد نیٹ پر پڑھ لیجیے۔ مشرقی جرمنی میں 2012ء میں 61.6 فیصد بچے حرام تھے۔ ماہرین اقراری ہیں کہ اس کی وجہ سیکولر اقدار کا فروغ اور مذہب سے دوری ہے۔ عورت کی معاشی خود مختاری اور زندگی کے ہر شعبے میں دخیل ہونا ہے۔ نیز یہ بھی کہ ایسے بچے ذہنی انتشار کا شکار ٹوٹی بکھری شخصیت اور سکولوں میں کمتر کارکردگی کے حامل ہوتے ہیں۔ سو آج دنیا پر انہی نسلوں کی حکمرانی ہے۔ جس سے یہ گلوبل ویلج کم اور گلوبل جنگل زیادہ بن چکا ہے۔

اندیشہ تو پہلے بھی تھا لیکن اب پنجاب میں شریف ابا جی کے بیٹوں کی حکمرانی میں جو تبلیغی جماعت کی شامت آئی ہے تو شک یقین میں بدل گیا ہے۔ تاریخ کے صفحات پلٹ کر یورپ میں ردِعیسائیت تحریک ملاحظہ ہو۔ سولہویں صدی میں استحصالی چیرہ دست پاپائیت کی نفرت کا لاوا تھا جس کے ردعمل میں 300 سال کے فکری کھولاؤ کی کوکھ سے لامذہبیت کی مختلف عفریتوں نے جنم لیا۔ سیکولرازم، لبرل ازم، ہیومنزم، افادیت پرستی، ڈارونزم وغیرہ۔ یہ آج ان عفریتوں کی بھرپور جوانی کے جنگی جنون، معاشی بلاؤں (دنیا کے 62 افراد کی دولت پوری دنیا کی دولت کے برابر ہو گئی ہے!)، جنسی دیوانگی (نکاح کی جگہ پارٹنر شپ اور حرام بچوں کی دنیا) کے تھپیڑے ہیں جو زلزلہ فگن ہیں۔ کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار! پوری دنیا کی اقدار تہذیب کے منہ نوچے جا رہے ہیں۔

نائن الیون کے بعد دجال کی دنیا وجود میں لانے کو ردِ اسلام تحریک کا آغاز ہو گیا تھا۔ پرویز مشرف نے جو روشن خیالی کا بیج بویا تھا وہ اسی کا نکتۂ آغاز تھا۔ اس وقت مخلوط میراتھان، بل بورڈز، فیشن شوز، وی آئی پی روٹ سے مساجد ہٹانے سے کہانی شروع ہو کر لال مسجد ڈھانے تک پہنچی تھی۔ ترقی پسندی، روشن خیالی سے نہ سائنس، ٹیکنالوجی نہ تعلیمی معیار مراد تھا۔ یہ صرف اسلام کے خلاف فضا ہموار کرنے اور موجودہ تاجکستان تک اسے لانے کا پہلا قدم تھا۔ یاد رہے کہ دجالیت نے تاجکستان میں ایک ہفتے میں 13 ہزار مسلمان ڈاڑھیاں تھانوں میں مونڈھی ہیں۔ (اگرچہ بوزنے ڈارون، امریکی ابراہام لنکن، فرائڈ کی بھی ڈاڑھی تھی!) 160 حجاب کی دکانیں بند کی ہیں۔ 99 فیصد مسلم آبادی کا ملک واپس کمیونسٹ روس کی جہالت کے دور میں لوٹ گیا ہے۔ سو پاکستان میں روشن خیالی کے پیچھے دھیمے سُروں میں سیکولرازم کا راگ بجتا رہا۔ نواز شریف کے آخری دورۂ امریکہ سے واپسی ڈومور کے ایجنڈوں میں لبرل ازم لے کر آئی۔ وزیر اعظم نے وقتاً فوقتاً یہ پتھر پھینک کر لہریں گنیں۔ شہباز شریف ذرا کھل کر فعال، مستعد و متحرک ہیں۔ سو انہوں نے عملی اقدامات کیے۔ نظام تعلیم کو ایمان، اسلام، اقدار فری زون میں لانے کی خدمات انہی نے انجام دیں۔ تاآنکہ حال ہی میں موٹر سائیکل سوار خواتین متعارف کروائی ہیں اور عالمی یوم آزادئ نسواں پر لیپ ٹاپ، موبائلوں کے بعد قوم کی بیٹیوں کو مفت موٹر سائیکل بانٹ کر قوم پر ترقی چڑھالانے کا عزم رکھتے ہیں۔ تازہ ترین وار تبلیغی جماعت کے درویشوں پر بلڈوزر نما احکام صادر کرنے کا مضحکہ خیز، حیران کن رویہ ہے۔ تعلیمی اداروں میں تبلیغی جماعت کی سخت مانیٹرنگ شروع! نرم ترین غیر عسکری، شیریں ملائم لب و لہجے کے اسلام سے بھی حکومت کو الرجی کا دورہ پڑ گیا؟ ہو نہ ہو یہ عین وہی ردِ اسلام تحریک ہے۔ جس کے تحت ملک و قوم کے ہر بُن مو سے اسلام (دجال کی آمد کے لیے) نکال پھینکے جانے کا تہیہ ہے۔ ڈالری ایجنڈا ہے۔

دوسری طرف جدید تعلیم اور قرآن وسنت سے

آراستہ سید مودودیؒ کے قافلے سے وابستہ خاندانوں پر یلغار ہے۔ مولوی ظفر اقبال مرحوم (ڈاکٹر ریاض قدیر معروف پرنسپل کنگ ایڈورڈ کالج لاہور کے بھائی) کا خاندان زد میں ہے۔ ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج لائل پور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے سیکرٹری، قرآن مجید کو تجویدی اصولوں کے مطابق اعراب دینے کی گرانقدر خدمت پر زندگی کے شب و روز وقف کرنے والے۔ جن کی اولاد نے طب کے شعبے میں اور تعلیم و تصنیف میں شاندار خدمات انجام دیں۔ ان کے پوتے اور ایک پوتی کے پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر شوہر کو چھاپے مار کر جس طرح لاپتہ کیا، تہذیب و شرافت منہ چھپا کر رو دی۔ رات بھر ہسپتال میں ڈیوٹی دینے کے بعد ڈاکٹر پوتا اچک لیا گیا۔ کیا ملک میں قانون، پولیس، عدالتیں موجود نہیں ہیں؟ اسی طرح کا ایک اور خاندان بھی چھاپہ مار کر دہلایا گیا۔ مولانا مودودیؒ کی کتابیں غیظ و غضب میں الماریوں سے زمین پر پٹخ پٹخ کر سید مودودیؒ کو صلواتیں سنائی گئیں۔ عورتوں، بچوں کو دہلاتے، منہ پر سیاہ ماسک چڑھائے یہ کس پاکستان کے اہل کار ہیں؟

اعلیٰ عدلیہ نے نواز شریف کو تو اڈیالہ جیل کا مژدہ سنایا ہے احکام کی پابندی نہ کرنے پر۔ نزلہ بر عضو ضعیف؟ ناحق ہم مجبوروں پر ہے تہمت خود مختاری کی! کیا ان چھاپوں کو روکنے، عوام کو تحفظ، انصاف اور بنیادی حقوق فراہم کرنے والا کوئی ادارہ موجود ہے؟ دینی کتب کی بے حرمتی؟ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین اور دستور کی کس دفعہ کی پاسداری میں ہے؟ جماعت اسلامی نے ہر اس فرد سے منہ موڑ کر جان بچائی جو اس زد میں آیا قطع نظر اس سے کہ وہ صرف ایمان و اسلام کی پاسداری کا مجرم تھا یا کچھ اور۔ اب تو یہ آگ مولانا مودودیؒ کے اس میزبان کے گھر تک آ پہنچی جو ہندوستان سے ہجرت کے بعد ان کی پناہ گاہ تھی! اب تو جماعت کے مرشد کی کتابیں پٹخی جانے لگیں۔ یہ امریکی غصہ ہے جو سید قطبؒ اور حسن البناءؒ کے بعد ان کے حصے آیا۔ ورنہ یہ اہلکار بے چارے اتنے پڑھے لکھے کہاں کہ نظریاتی سدھ بدھ رکھتے ہوں۔ اصلاً تو دجال کے ظہور سے پہلے صف بندی ہو رہی ہے۔ اللہ اپنے کام کے بندوں اور دین کے دعوے داروں کی چھانٹی بھی تو کرے گا ہی! ہر محبت اور دعویٰ انعام دینے سے پہلے ثبوت مانگتا ہے۔ ڈالر اپنے ثبوت مانگتا ہے۔ جنت تو بہت ہی مہنگا سودا ہے! سوچنے کا مقام سب کے لیے ہے۔

سجدہ خالق کو بھی ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا

آداب معاشرت

اللہ کے لیے محبت کرنا

فرید اللہ مروت

کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر محبت رکھنا بھی بڑا عظیم الشان عمل ہے جس پر بہت اجر و ثواب کے وعدے کیے گئے ہیں۔ ''اللہ کے لیے محبت کرنے کے'' معنی یہ ہیں کہ کسی سے کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ بلکہ یا تو اس سے اس لیے محبت کی جائے کہ وہ زیادہ دیندار، متقی، پرہیزگار ہے یا اس کے پاس دین کا علم ہے۔ یا وہ دین کی خدمت میں مشغول ہے یا اس لیے محبت کی جائے کہ اس سے محبت کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ مثلاً والدین۔

ایسی محبت کو احادیث میں ''حب فی اللہ'' (اللہ کے لیے محبت) کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج جب کہ میرے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے۔ میں ایسے لوگوں کو اپنے سائے میں رکھوں گا۔'' (صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اللہ کی عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اور لوگ ان پر رشک کریں گے۔'' (جامع ترمذی)

ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ مشہور تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جامع دمشق میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ ''بخدا مجھے آپ سے اللہ کی خاطر محبت ہے۔'' انہوں نے بار بار مجھ سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی تمہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر مجھ سے محبت ہے؟ جب میں نے ہر بار اقرار کیا تو انہوں نے میری چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: ''خوشخبری سنو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کو لازمی طور پر حاصل ہوگی جو میری خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ جو میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، جو میری خاطر ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔'' (موطا امام مالک، کتاب الشعر)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت رکھنا چونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر اللہ تعالیٰ سے محبت کا اجر و ثواب ملتا ہے اور اس محبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے والے کو اپنے محبوب لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ''تم نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' عرض کیا کہ ''تیاری تو کچھ نہیں۔ البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم جس سے محبت کرتے ہو، اسی کے ساتھ ہوگے۔'' (صحیح بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) فرماتے ہیں کہ ہمیں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور چیز سے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ مجھے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت ہے اور اس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا۔ اگرچہ میرے اعمال ان کے اعمال کے برابر نہیں ہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامۃ الحب فی اللہ)

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کسی سے محبت رکھنا بہت فضیلت کا عمل ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی نیک عمل کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی نیک لوگوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ہمیشہ اللہ کے لیے محبت رکھنی چاہیے اور اس نیت سے رکھنی چاہیے کہ اس محبت کی برکت سے مجھے بھی نیکی کی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں۔

اُحِبُّ الصّٰلِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ
لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ خود نیکوں میں سے نہیں ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی عطا فرما دیں۔

سنت کا مذاق نہ اُڑائیں

مولانا محمد تقی عثمانی

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھارہا تھا۔ اہل عرب میں بائیں ہاتھ سے کھانا عام تھا اور اکثر لوگ بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ نے دیکھا کہ وہ شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے تو آپ ؐ نے اس کو تنبیہہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ یہ حکم آپ ؐ نے اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں زندگی گزارنے کے جو آداب سکھائے گئے ہیں ان میں داہنی طرف کو بائیں طرف پر ترجیح حاصل ہے۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ ہر معاملے میں داہنی طرف کو بائیں طرف پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بتایا ہوا ادب ہے۔ چاہے اس کو کوئی مانے یا نہ مانے، چاہے کسی کی عقل اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ بہرحال، حضور اقدس ﷺ کا یہ حکم سن کر اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا اور اس جواب دینے کا سبب تکبر تھا اور اس نے سوچا کہ مجھے اس بات پر آپ ؐ نے ٹوک کر میری توہین کی ہے۔ اس لیے میں حکم نہیں مانتا۔ جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ تم کبھی دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکو گے۔ اس کے بعد ساری عمر وہ شخص اپنا داہنا ہاتھ منہ تک نہیں لے جاسکا۔

ہر اچھا کام داہنی طرف سے شروع کریں

بہرحال حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کی تحقیر سے بچنا چاہیے۔ آج کل تو لوگ اس قسم کی سنتوں کے بارے میں حقارت آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میاں! ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں کیا رکھا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ۔ یاد رکھیے، حضور اقدس ﷺ کی کوئی سنت چھوٹی نہیں، چاہے بظاہر دیکھنے میں وہ چھوٹی معلوم ہوتی ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا ہر حکم، آپ کی ہر سنت، آپ کا ہر عمل اس دنیا کے لیے نمونہ ہے۔ چنانچہ آپ نے ہر اچھا کام داہنی طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً داہنے ہاتھ سے کھاؤ، داہنے ہاتھ سے پانی پیو، اگر مجمع میں کوئی چیز تقسیم کرنی ہے تو داہنی طرف سے شروع کرو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ:

یعنی حضور اقدس ﷺ ہر چیز میں داہنے ہاتھ سے ابتدا کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ لباس پہننے کے بارے میں فرمایا کہ پہلے داہنی آستین میں ہاتھ ڈالو پھر بائیں آستین میں ہاتھ ڈالو۔ جوتا پہننا ہے تو پہلے دایاں جوتا پہنو اور پھر بایاں جوتا پہنو۔ بالوں میں کنگھی کرنی ہے تو پہلے دائیں طرف کنگھی کرو اور پھر بائیں طرف کرو۔ آنکھوں میں سرمہ ڈالنا ہے تو پہلے داہنی آنکھ میں سرمہ ڈالو پھر بائیں آنکھ میں سرمہ ڈالو۔ ہاتھ دھوتے وقت پہلے دایاں ہاتھ دھو پھر بایاں ہاتھ دھو۔ اس طرح آپ نے ہر چیز میں دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الوضو)

ایک وقت میں دو سنتوں کا اجتماع

بظاہر یہ معمولی سنتیں ہیں۔ لیکن اگر انسان ان سنتوں پر عمل کرلے تو ہر عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبیت کا پروانہ مل رہا ہے اور اس پر عظیم اجر وثواب مرتب ہو رہا ہے۔ اگر انسان محض غفلت اور لاپرواہی سے ان سنتوں کو چھوڑ دے اور ان پر عمل نہ کرے تو اس سے زیادہ ناقدری اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس لیے اہتمام سے ہر کام انسان دائیں طرف سے شروع کرے۔

مسجد سے نکلنے کے دوران دو سنتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب آدمی مسجد سے باہر نکلے تو پہلے بایاں پیر نکالے اور پھر دایاں پیر نکالے اور دوسری سنت یہ ہے کہ جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں ڈالے پھر بائیں پاؤں میں ڈالے۔ تو ان دونوں سنتوں کو اس طرح جمع کرے کہ مسجد سے پہلے بایاں پیر نکال کر جوتے کے اوپر رکھ لے اور پھر دایاں پیر نکال کر جوتا پہنے اور پھر بائیں پیر میں جوتا پہنے، اس طرح دونوں سنتوں پر عمل ہو جائے گا۔

ہر سنت عظیم ہے

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہاں اس کا امتیاز نہیں تھا کہ کون سی سنت چھوٹی ہے اور کون سی سنت بڑی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک ہر سنت عظیم تھی۔ اس لیے وہ تمام سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذرا سا اہتمام کرنے سے انسان کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ جمع ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مغربی تہذیب کی ہر چیز الٹی ہے

مغربی تہذیب نے ہماری قدروں کو باقاعدہ اہتمام کرکے بدلا ہے۔ چنانچہ آج کل کی تہذیب یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کانٹا اور چھری دائیں ہاتھ میں پکڑی جائے اور بائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔ آج سے کئی سال پہلے میں ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ میری ساتھ والی سیٹ پر ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ سفر کے دوران ان سے ذرا بے تکلفی بھی ہوگئی تھی، جب کھانا آیا تو ان صاحب نے حسب معمول دائیں ہاتھ سے چھری لی اور بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم نے ہر چیز میں انگریز کی تقلید شروع کر رکھی ہے اور نبی کریم ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اس لیے اگر آپ دائیں ہاتھ سے کھالیں تو آپ کا یہی عمل موجب ثواب بن جائے گا۔ وہ جواب میں کہنے لگے کہ اصل میں ہماری قوم اسی وجہ سے پیچھے رہ گئی ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان مولویوں نے ان چیزوں کے اندر ہماری قوم کو پھنسا دیا اور ترقی کا راستہ روک دیا اور جو بڑے بڑے کام تھے ان میں ہم پیچھے رہ گئے۔

مغربی دنیا پھر کیوں ترقی کر رہی ہے؟

میں نے ان سے عرض کیا کہ ماشاء اللہ آپ تو مدت دراز سے اس ترقی یافتہ طریقے سے کھا رہے ہیں۔ اس ترقی یافتہ طریقے سے کھانے سے آپ کو کتنی ترقی حاصل ہوئی؟ اور آپ کتنے آگے بڑھ گئے؟ اور کتنے لوگوں پر آپ کو فوقیت حاصل ہوگئی؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے ان کو سمجھایا کہ مسلمانوں کی ترقی اور سربلندی تو نبی کریم ﷺ کے طریقوں پر عمل کرنے میں ہے دوسرے طریقوں پر عمل کرنے میں نہیں۔ اگر مسلمان دوسرے طریقوں کو اختیار کرے گا تو وہ سربلند نہیں ہو

سکتا۔ ان صاحب نے کہا کہ آپ نے عجیب بات کہی کہ ترقی سنتوں پر عمل کرنے میں ہے۔ یہ ساری مغربی قومیں کتنی ترقی کر رہی ہیں حالانکہ وہ قومیں الٹے ہاتھ سے کھاتی ہیں۔ سارے کام سنت اور شریعت کے خلاف کرتی ہیں۔ گناہوں کے اندر بُری طرح مبتلا ہیں۔ فسق و فجور کے کام کرتی ہیں۔ شرابیں پیتی ہیں۔ جوا کھیلتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ قومیں ترقی کر رہی ہیں اور پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہیں۔ لہٰذا آپ جو یہ کہتے ہیں کہ سنتوں پر عمل کرنے سے ترقی ہوتی ہے لیکن ہمیں تو نظر آ رہا ہے کہ سنتوں کے خلاف اور شریعت کے خلاف کام کرنے سے دنیا میں ترقی ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کا راستہ صرف ایک ہے

چونکہ غیر مسلم قومیں فسق و فجور اور معصیت اور نافرمانی کے ذریعہ ترقی کر رہی ہیں اسی طرح ہم بھی نافرمانیوں کے ساتھ ترقی کر جائیں گے۔ یہ قیاس درست نہیں۔ یاد رکھیں: جس قوم کا نام مسلمان ہے اور جو کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ایمان لائی ہے وہ اگر چہ سر سے لے کر پاؤں تک ان مغربی اقوام کا طریقہ اپنا لے اور اپنا سب کچھ بدل دے تب بھی ساری زندگی کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو ایک مرتبہ..........معاذ اللہ..........اسلام کے چولے کو اپنے جسم سے اتار دے اور یہ کہہ دے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ پھر ان کے طریقوں کو اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی دنیا میں ترقی دے دیں گے۔ لیکن مسلمان کے لیے وہ ضابطہ اور قانون نہیں ہے جو کافروں کے لیے ہے۔ مسلمان کے لیے دنیا میں بھی ترقی کرنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو صرف حضور اقدس ﷺ کی اتباع میں ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی ترقی کا کوئی راستہ نہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی اختیار کر لو

بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ مغربی اقوام جو کام کر رہی ہیں وہ قابل تقلید ہیں اور نبی کریم ﷺ کی سنت......معاذ اللہ...... ایک معمولی سی چیز ہے اور قابل تقلید نہیں ہے بلکہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر تم نے دائیں ہاتھ سے کھانا کھا لیا تو تمہاری ترقی میں کون سی رکاوٹ آ جائے گی۔ لیکن ہمارے دل و دماغ پر غلامی مسلط ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی چھوڑ کر غیروں کی غلامی اختیار کر لی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غلامی کے اندر جی رہے ہیں اور غلامی کے اندر مر رہے ہیں۔ اور اب اس غلامی سے نکلنا بھی چاہتے ہیں تو نکلا نہیں جاتا۔ نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور سچی بات یہ ہے کہ اس وقت تک اس غلامی سے نہیں نکل سکتے اور اس دنیا میں عزت اور سربلندی حاصل نہیں کر سکتے جب تک ایک مرتبہ صحیح معنی میں حضور اقدس ﷺ کی غلامی قبول نہیں کر لیں گے اور سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے۔

سنت کے مذاق سے کفر کا اندیشہ ہے

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ سنت صرف انہی چیزوں کا نام نہیں کہ آدمی دائیں ہاتھ سے کھانا کھا لے اور دائیں طرف سے کپڑا پہن لے۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبے سے سنتوں کا تعلق ہے۔ ان سنتوں میں حضور اقدس ﷺ کے اخلاق بھی داخل ہیں۔ آپ ؐ لوگوں کے ساتھ کس طرح معاملہ فرماتے تھے؟ کس طرح خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے تھے؟ کس طرح لوگوں کی تکلیفوں پر صبر فرماتے تھے۔ یہ سب باتیں بھی ان سنتوں کا حصہ ہیں۔ لیکن کوئی سنت ایسی نہیں ہے جس کو چھوٹا سمجھ کر اس کی تحقیر کی جائے۔ دیکھئے: فرض کریں کہ اگر کسی شخص کو کسی سنت پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہو رہی ہے تو کم از کم اس شخص کو بہتر سمجھے جس کو اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق ہو رہی ہے۔ لیکن اس سنت کا مذاق اڑانا، اس کی تحقیر کرنا، اس کو بُرا قرار دینا۔ اس پر آوازیں کسنا۔ ان افعال سے اس شخص پر کفر کا اندیشہ ہے۔ اس لیے ادنیٰ سے ادنیٰ سنت کے بارے میں بھی کبھی تحقیر اور تذلیل کا کلمہ زبان سے نہیں نکلنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

اگلی حدیث میں حضور اقدس ﷺ اپنی تعلیمات کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ:

حضور ﷺ کی تعلیمات کو قبول کرنے والوں کی مثال

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال اور جن تعلیمات کو میں دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زمین پر بارش ہوئی اور وہ زمین تین قسم کی تھی۔ پہلی قسم کی زمین بڑی زرخیز تھی۔ جب اس پر بارش ہوئی تو اس زمین نے پانی کو جذب کر لیا۔ اور پھر اس زمین میں سے پھول پودے نکل آئے۔

دوسری قسم کی زمین سخت تھی۔ جس کی وجہ سے پانی اندر جذب نہیں ہوا بلکہ اوپر ہی جمع ہو گیا۔ اور پھر اس پانی سے بہت سے انسانوں نے اور جانوروں نے فائدہ اٹھایا۔

تیسری قسم کی زمین میں نہ تو اگانے کی صلاحیت تھی۔ اور نہ پانی کو اوپر جمع کرنے کی صلاحیت تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بارش کا پانی اس پر برسا اور وہ پانی بے فائدہ چلا گیا۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلم)

لوگوں کی تین قسمیں

پھر فرمایا کہ اسی طرح میں جو تعلیمات لے کر آیا ہوں وہ بارش کی طرح ہے اور ان تعلیمات کو سننے والے تین طرح کے لوگ ہیں۔ بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے ان تعلیمات کو اپنے اندر جذب کر کے اس سے فائدہ اٹھایا اور اس کے نتیجے میں ان کے اعمال اور اخلاق درست ہو گئے اور وہ اچھے انسان بن گئے اور لوگوں کے لیے ایک بہترین نمونہ بن گئے اور دوسرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے میری تعلیمات کو حاصل کیا۔ پھر خود بھی اس سے فائدہ اٹھایا اور دوسرے لوگوں کے فائدے کے لیے اس کو جمع کر لیا۔ اور پھر وہ ان تعلیمات کو تعلیم، تدریس، وعظ اور دعوت کے ذریعہ دوسروں تک پہنچا رہے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے میری تعلیمات کو ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا، نہ ان سے خود فائدہ اٹھایا اور نہ ان کے ذریعہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ اس حدیث کے ذریعہ اس بات کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا کہ میری تعلیمات کے بارے میں دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لو۔ یا تو خود اس سے فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی اس کے ذریعہ فائدہ پہنچاؤ۔ یا کم از کم خود اس سے فائدہ اٹھا لو۔ اس لیے کہ تیسرا راستہ بربادی کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میری تعلیمات سن کر اس کو پس پشت ڈال دو۔ اسی بات کو ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

یعنی یا تو تم دین کے عالم بن جاؤ کہ خود بھی عمل کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ یا اس علم دین کے سیکھنے والے بن جاؤ۔ کوئی تیسری صورت اختیار مت کرو ورنہ تم ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔

دوسروں کو دین کی دعوت دیں

حضور اقدس ﷺ کی سنتوں اور تعلیمات کے بارے میں ایک مسلمان کا اصل فریضہ یہ ہے کہ وہ خود اس پر عمل کرے اور دوسروں تک اس کو (باقی صفحہ 13)

مظلوم قائداعظم

ڈاکٹر صفدر محمود

قائداعظم ہمارے عظیم ترین محسن ہیں کہ انہوں نے اپنی صحت، ذاتی زندگی، گھربار سب کچھ تیاگ کر ہمیں ایک آزاد خطہ زمین لے کر دیا اور مرنے سے قبل اپنی محنت سے کمائی گئی دولت بھی قوم میں تقسیم کر گئے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ قائداعظم ہماری تاریخ کے ایک مظلوم کردار بنتے نظر آتے ہیں۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ان کے نظریات، افکار، سیاسی و ذاتی زندگی پر بحث جاری ہے اور یہ کشتی کنارے لگتی نظر نہیں آتی۔ اصول تو یہ ہے کہ کسی بھی عظیم سیاسی رہنما کو اس کی تقریروں، فرمودات، تحریروں اور سیاسی زندگی کے حوالے سے جانچا پرکھا جاتا ہے اور اپنے ذاتی ایجنڈے، ذاتی فلسفے اور ذاتی مفاد سے بلند ہو کر اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہاں صورت مختلف ہے، قائداعظم کا نقطۂ نظر، تصور، جدوجہد اور وژن، ان کی تقریروں سے روز روشن کی مانند واضح ہے لیکن ہمارے ہاں گزشتہ چار دہائیوں سے رسم چل نکلی ہے کہ ایجنڈا بردار حضرات ان کو پورے تناظر میں سمجھنے کی بجائے، ان کی سینکڑوں تقاریر و بیانات پڑھنے کی بجائے اپنے اپنے مطلب کے فقرے ڈھونڈھ نکالتے ہیں اور پھر ان پر اپنے فلسفے اور اپنی خواہشات کا خول چڑھا کر الفاظ کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔

یہ موضوع کتاب کا ہے اور مجھے قائداعظم کے سینکڑوں حوالے اور تقاریر یاد ہیں لیکن صرف مثال کی خاطر عرض کر رہا ہوں کہ چند روز قبل اسی اخبار میں میرے ایک قابل احترام دانشور کا کالم چھپا جس میں انہوں نے لکھا کہ یکم فروری 1948ء کو قائداعظم نے امریکی عوام سے ریڈیو خطاب میں فرمایا: ''پاکستان ایک ایسی مذہبی ریاست نہیں بنے گا جس میں ملا حضرات (Priests) خدائی مشن Divine right کے تحت حکومت کریں۔'' قائداعظم نے یہ بات بارہ تیرہ مرتبہ کہی کہ پاکستان مذہبی ریاست نہیں ہو گی اور کئی بار وضاحت کی جو ان کے فہم اسلام کا ثبوت ہے کہ اسلام میں مذہبی ریاست کا تصور موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ مذہبی ریاست عوام پر مذہب مسلط کرتی ہے اور اقلیتوں کو برابر کے حقوق نہیں دیتی جبکہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو برابر کے شہری تصور کیا جاتا ہے اور ان پر ریاستی مذہب مسلط نہیں کیا جاتا۔ ایک واضح اور روشن مثال ریاست مدینہ ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم (پیرس والے) نے میثاق مدینہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے تحت غیر مسلموں کو برابر کے حقوق دیئے گئے تھے۔ غیر مسلموں کے حوالے سے حسن سلوک، احترام، برابری اور برداشت کی مثالیں سیرت نبوی ﷺ میں موجود ہیں جس پر بہت لکھا جا چکا ہے۔

گویا اسلام یا اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے جھگڑا نہیں بلکہ اس ساری بحث اور جدوجہد کا مقصد کچھ اور ہے۔ پاکستان ہرگز مذہبی ریاست نہیں، یہ اصول ہمیشہ کے لیے طے ہو کر آئین کا حصہ بن چکا کہ پاکستان ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے جس کے قوانین، آئین، ڈھانچے وغیرہ کی بنیاد اسلامی اصولوں پر استوار ہو گی۔ یہی بات قائداعظم نے قیام پاکستان سے قبل 101 بار اور قیام پاکستان کے بعد 14 بار کہی کہ پاکستان کا آئین، نظام، قانون، انتظامی ڈھانچے وغیرہ کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی۔ جو حضرات پاکستان کو مذہبی ریاست بنانے کا ایجنڈا رکھتے ہیں وہ بھی ناکام ہوں گے اور جو اسے اسلامی سے محض جمہوری ریاست بنانے کا خواب دیکھتے ہیں اور اس پر سیکولرازم کا غلاف چڑھانا چاہتے ہیں وہ بھی ناکامی کے مقدر سے ہمکنار ہوں گے۔

قائداعظم نے بارہا مسلمان ریاست کا لفظ استعمال کیا لیکن ہر بار مسلمان ریاست کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر استوار ہو گی۔ جس ریاست کی بنیاد اسلام ہو دوستو اسے اسلامی ریاست یا ملک ہی سمجھتے ہیں اسے مذہبی ریاست نہیں کہتے لیکن ان حضرات کے لیے وبال جان یہ تصور ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ذاتی زندگی، ریاستی زندگی حتیٰ کہ ہر شعبے پر محیط ہے اس لیے اسلامی ریاست کی سیاست، حکمرانی، قانون وغیرہ کو اسلام سے آزاد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی مسلمان ریاست میں غیر اسلامی رسومات و عادات مثلاً شراب زنا، سود، جواء، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، استحصال، چوری وغیرہ وغیرہ کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ گھر کی چار دیواری کے اندر آپ کیا کرتے ہیں یہ بندے اور اللہ کا معاملہ ہے۔ تاریخی پس منظر اور قائداعظم کی 1940ء سے 1948ء تک ساری تقاریر کے تناظر میں دیکھیں تو گیارہ اگست 1947ء کی تقریر کا مدعا فقط یہ تھا کہ اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے اور مذہب ان کی ترقی، تمدن اور انداز زندگی میں حائل ہو گا نہ رکاوٹ بنے گا اور غیر مسلم اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ زندگی گزار سکیں گے۔ مختصر یہ کہ ریاست ان پر مذہب مسلط نہیں کرے گی۔ کراچی بار سے عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر 25 جنوری 1948ء کو قائداعظم نے بلند آہنگ الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ شرارتی عناصر ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ آئین پاکستان کی بنیاد شریعت پر نہیں ہو گی۔ اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی پر اسی طرح لاگو (Applicable) ہیں جس طرح تیرہ سو سال قبل تھے (بحوالہ قائداعظم کے بیانات، تقاریر، از خورشید یوسفی، جلد چہارم صفحہ 2669) ظاہر ہے کہ اسلامی شریعت کا نفاذ غیر مسلموں پر تو نہیں ہونا تھا۔ جو مذہبی عناصر شریعت کے نام پر تشدد پھیلاتے، خدائی فوجدار بنتے اور اقلیتوں کے حقوق پر ضرب لگاتے ہیں وہ زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو حضرات اسلام کے نام پر لبرل ازم کی آڑ میں یا جام و سرود اور فحاشی پھیلاتے ہیں وہ بھی اسلامی حدود کو پامال کرتے ہیں۔ یارو! معاف کرنا بات ذرا دور نکل گئی۔ قائداعظم کے یکم فروری 1948ء کو امریکی عوام کے نام ریڈیو خطاب کا ذکر پڑھ کر مجھے اس لیے حیرت ہوئی کہ اسی خطاب میں قائداعظم کے ان الفاظ کو کیوں درخور اعتنا نہ سمجھا گیا جو بنیادی اصول اور قائداعظم کے تصور پاکستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذرا ان الفاظ کو پڑھ لیجیے۔ جو امریکی عوام نے اپنے کانوں سے سنے (Pakistan is the premier Islamic state) مجھے اس پر ہرگز حیرت نہیں ہوتی کہ ایک مخصوص مکتبہ فکر سے وابستہ دانشور قائداعظم کی تقاریر کو پڑھتے ہوئے ایسے تمام الفاظ کو اگنور کر دیتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں قائداعظم کو کھلے ذہن سے پڑھتا ہوں اور ان کے تصورات کو ذاتی پسند سے بالاتر ہو کر تاریخی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ذہنی

ارتقاء انسانی زندگی کا حصہ ہے۔ تحریک خلافت کی مخالفت 1928ء کی بات ہے جس کی کئی وجوہ تھیں۔ انگلستان سے 1934ء میں واپسی کے بعد اور خاص طور پر آٹھ صوبوں میں کانگریسی حکومت (Rule) کے بعد قائداعظم کے خیالات میں بے پناہ تبدیلی نظر آتی ہے۔ جس کی بہترین جھلک مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے اراکین اسمبلی کی دہلی کنونشن کے خطاب اور قرارداد میں ملتی ہے۔ دوستو! دہلی کنونشن میں منظور کردہ قرارداد کو پڑھو تو تصور پاکستان سمجھ میں آئے گا۔ کالم کا دامن تنگ ہے، کیا کیا لکھوں، ہندوستانی سفیر سری پرکاش کتاب بہت سے جھوٹوں کا مجموعہ ہے۔ قائداعظم کی شخصیت کے وقار کے پیش نظر ہندوستانی سفیر گورنر جنرل کو سوالات کے کٹہرے میں کھڑا کرنے، ناقابل فہم ہے، پھر قائداعظم جیسا کھرا انسان کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں نے کبھی اسلامی کا لفظ استعمال نہیں کیا جبکہ وہ یہ لفظ متعدد بار ادا کر چکے تھے۔ سری پرکاش نے یہ واقعہ ستمبر 1947ء کا لکھا ہے جبکہ قائداعظم نے یونیورسٹی اسٹیڈیم لاہور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے 30 اکتوبر 1947ء کو اعلان کیا Be prepares to sacrefice all in building up pakistan as a Bulwark Islam (بحوالہ خورشید یوسفی جلد چہارم صفحہ 2643)

یہ اعلان اہل پنجاب اور بذریعہ ریڈیو اہل پاکستان نے سنا کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیا یہ قلعہ ہوا میں تعمیر ہونا تھا، پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کا عزم رکھنے والا قائداعظم یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ پاکستان اسلامی ریاست نہیں ہوگی۔ میں سینکڑوں حوالے دے سکتا ہوں لیکن جنہوں نے نہیں ماننا، انہوں نے بہر حال نہیں ماننا۔ آخر میں ایک اصولی بات کہنے کی اجازت دیجیے، تحقیق اور تحریر کا ایک طے شدہ اصول ہے کہ کسی بھی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہوئے اس کی پوری شخصیت، انداز واطوار، کردار وغیرہ کو ذہن میں رکھا جاتا ہے اور ایسے من گھڑت واقعات کو اگنور کیا جاتا ہے جو اس شخص کی شخصیت سے مطابقت نہ رکھتے ہوں، لگا نہ کھاتے ہوں، اللہ پاک نے کامن سینس اسی لیے دیا ہے کہ اسے استعمال کیا جائے اور اس کی کسوٹی پر سچ جھوٹ کو پرکھا جائے۔ قائداعظم کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ خاص طور پر 1935ء سے لے کر ستمبر 1948ء تک ان کی شخصیت کا ہر شعبہ بے نقاب ہے۔ ان برسوں میں قائداعظم نے بار بار سارے ہندوستان کے دورے کیے، بہت سی جگہوں پہ قیام کیا، مس فاطمہ جناح اکثر ساتھ ہوتی تھیں، قائداعظم درجن بار سے زیادہ لاہور آئے، ممدوٹ ولا، فلیٹیز ہوٹل اور پھر گورنر ہاؤس میں قیام کرتے رہے۔ لاکھوں لوگوں سے ملتے رہے۔ لیکن آج تک کسی شخص نے وہ بات نہیں کی جو محترم کالم نگار نے دس فروری کے کالم میں لکھی۔ میں تحریک پاکستان اور قائداعظم سے بار بار ملنے والے سینکڑوں کارکنوں سے ملا ہوں۔ بانی پاکستان کے بارے میں کسی بھی واقعہ کو ہوا دینے سے پہلے یہ جانچنا ضروری ہے کہ کیا اس میں سچائی ہوسکتی ہے؟ کیا یہ کامن سینس کو اپیل کرتا ہے۔ قائداعظم سینکڑوں بار اعلان کر چکے تھے کہ پاکستان کی بنیاد اسلامی اصولوں پر استوار ہوگی۔ کیا ایسا شخص بلوچستان میں خان قلات کے مہمان کے طور پر جب جرگے کے سرداروں سے ملنے آئے تو اپنے پیچھے ٹرے میں ''گلاس'' اٹھائے ملازم کو لائے گا۔ یہ وہ مذہبی لوگ تھے جنہیں پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کرنا تھا۔ کیا قائداعظم اتنے کند ذہن تھے کہ انہیں اس حرکت کے نتائج کا احساس نہیں تھا۔ ایسی حرکت تو کوئی کم عقل لیڈر بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ عوامی زندگی کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ قائداعظم جیسا ذہن، فہم وادراک کا مالک محتاط اور باوقار شخص کیا ایسی حرکت کرسکتا ہے؟ یارو! خدا کا خوف کرو اور قائداعظم کے وقار کو اپنے جواز کی خاطر خاک میں نہ ملاؤ۔ ☆☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

☆ گجرات میں رہائش پذیر دینی فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 31 سال، تعلیم ایم، اے (ایجوکیشن) برسر روزگار اور بیٹی تعلیم ایم، اے (اسلامیات) ایم ایڈ، عمر 32 سال، ماہر امور خانہ داری کے لیے دینی وعلمی گھرانوں سے رشتے درکار ہیں۔ صرف والدین رجوع فرمائیں۔

برائے رابطہ: 0322-5937323

بقیہ: دین و دانش

پہنچائے۔ اگر خود عمل کرلیا اور دوسروں تک نہیں پہنچایا تو صرف یہ نہیں ہوگا کہ ناقص رہے گا بلکہ اس نے خود جو نفع حاصل کیا ہے اس کے بھی ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے کہ اگر اس کا اپنا ماحول درست نہیں ہوگا تو وہ کسی بھی وقت پھسل جائے گا۔ مثلاً ایک شخص دین دار بن گیا۔ نماز پابندی سے پڑھنے لگا۔ احکامات پر عمل کرنے لگا۔ گناہوں سے خود بچنے لگا۔ لیکن اپنے گھر والوں کی اصلاح کی فکر نہ کی اور گھر کے سب افراد اس کے خلاف ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا وہ ایک نہ ایک دن اس راستے سے پھسل جائے گا۔ اس لیے اس شخص کے ذمہ فرض ہے کہ اپنے گھر والوں پر بھی محنت کرتا رہے، ان کو بھی محبت، پیار اور شفقت سے اس راستے کی طرف لانے کی کوشش کرتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب تک بھی بات پہنچانے کی فکر کرتا رہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے۔''

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی النصیحۃ)

یعنی ایک مسلمان کو کسی غلطی کی طرف توجہ نہیں ہو رہی ہے تو دوسرا مسلمان اس کو محبت اور پیار سے اس غلطی کی طرف توجہ دلائے۔ البتہ اس میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جو دل آزار ہو۔ جس سے دل کو ٹھیس لگے اور جس سے نفرت پیدا ہو۔ بعض لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم بہت سمجھاتے ہیں لیکن فائدہ نہیں ہوتا تو یاد رکھیے! فائدہ ہونا یا نہ ہونا یہ تمہارا کام نہیں، تمہارا کام تو صرف اپنا فریضہ انجام دینا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیے، ساڑھے نوسو سال تک تبلیغ کرتے رہے اور صرف انیس آدمی مسلمان ہوئے۔ ان کا حوصلہ اور جگر گردہ دیکھیے کہ اس کے باوجود تبلیغ ودعوت کا کام نہیں چھوڑا۔

دعوت سے اکتانا نہیں چاہیے

لہٰذا ایک داعی اور مبلغ کا کام یہ ہے کہ وہ گھبرائے نہیں۔ اکتائے نہیں، مایوس نہ ہو۔ بلکہ ان سے کہتا رہے اور اس کے درپے بھی نہ ہو کہ میری بات کا توان پر کوئی اثر نہیں ہوا لہٰذا اب آئندہ ان کو کہنے سے کیا فائدہ؟ بلکہ موقع بموقع مختلف انداز سے اپنی بات پہنچاتا رہے۔ یاد رکھیے! اچھی بات کسی نہ کسی وقت ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے اور اس کے اثرات ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی کے مقدر میں ہدایت نہیں ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے مقدر میں ہدایت نہیں تھی تو بھی تمہارا اس کو دعوت دینا خود تمہارے حق میں فائدہ مند ہے۔ اور اس پر تمہارے لیے اجر وثواب لکھا جارہا ہے۔ اور خود بھی حضور اقدس ﷺ کی سنتوں اور تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہے اور جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار کرتا رہے اور معافی مانگتا رہے۔ ساری عمر یہ کرتا رہے تو ان شاءاللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ البتہ غفلت بہت بری چیز ہے۔ اس غفلت سے بچنے کی کوشش کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت سے حفاظت فرمائے۔ اور حضور اقدس ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ سے 14 سوال اور ان کے جوابات (آخری قسط)

2002ء سے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کی جانب سے ریمانڈ شدہ انسدادِ سود کا ایک نہایت اہم مقدمہ فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس معرضِ التوا میں پڑا تھا، جسے اب کورٹ میں تنظیم اسلامی کی کوششوں سے سماعت کے لیے فکس کر دیا گیا ہے۔ اب تک اس ضمن میں چار مختصر سماعتوں کی نوبت آ چکی ہے۔ کورٹ کی جانب سے معاملے کی وضاحت کے لیے چودہ سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ جاری کیا گیا تھا جس کی روشنی میں فاضل عدالت ازسرِنو فیصلہ سنائے گی۔ ان سوالات کے جوابات شعبہ تحقیق کے سربراہ حافظ عاطف وحید نے اہلِ علم کی آراء کی روشنی میں تیار کیے ہیں اور انہیں کورٹ میں ''داخل دفتر'' کروا دیا گیا ہے۔ معاملے کی اہمیت کے پیشِ نظر اور ابلاغِ عامہ کی غرض سے ان سوالات کے جوابات قارئین کے لیے بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

Question 10: Are the current fixed return modes like Murabaha diminishing Musharaka etc as used/practiced by the contemporary Islamic banks in line with the higher purposes of Shariah? Whether these modes can be termed as real alternatives of Interest?

ترجمہ: معاصر اسلامی بینک متعین منافع کے مروجہ طریقے، جیسے مرابحہ اور مشارکہ متناقصہ وغیرہ کی جو شکلیں استعمال کر رہے ہیں کیا وہ مقاصدِ شریعت کے مطابق ہیں اور کیا انہیں سود کا صحیح اسلامی متبادل سمجھا جا سکتا ہے؟

جواب: اس سوال کا ایک مختصر اور سادہ سا جواب تو یہ ہے کہ متعین منافع کے مروجہ طریقے جیسے مرابحہ اور مشارکہ متناقصہ جو عہدِ حاضر کے اسلامی بینکوں میں رائج اور مستعمل ہیں وہ اپنی حالیہ مروّج شکلوں میں شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور اسی لیے انہیں سود کا حقیقی متبادل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان طریقہ ہائے تمویل کے بارے میں وہ علماء جو اسلامی بینکاری کے ماہرین تصور کیے جاتے ہیں' بھی اس رائے کے حامل ہیں کہ انہیں شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے صرف انتہائی ضرورت کے موقع پر استعمال کرنا چاہیے۔ چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی اس بارے میں اظہارِ رائے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلامی بینکاری اپنے بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کر رہی' نہ ہی مشارکہ کی طرف کسی قسم کی پیش رفت کی قابلِ ذکر کوششیں موجود ہیں۔ مرابحہ' اجارہ وغیرہ کا استعمال بھی روایتی معیارات LIBOR وغیرہ کے ''فریم ورک'' میں ہوتا ہے جس کا آخری نتیجہ مادی طور پر سودی معاملے سے مختلف نہیں ہوتا۔ بعض اسلامی بینکوں میں یہ بات محسوس کی گئی ہے کہ ان میں مرابحہ و اجارہ کو بھی ان کے شرعاً مطلوب طریق کار کے مطابق اختیار نہیں کیا جاتا''۔

اسی طرح مولانا خود تسلیم کرتے ہیں کہ مرابحہ اور اجارہ کو ایک حیلہ کے طور پر اختیار کیا گیا تھا اس لیے اس کو مستقل حیثیت دینا ہرگز ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

''یہ ایک حیلہ نکالا گیا ہے اور اس کے حیلہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں' اس لیے میں جہاں بھی دخیل ہوں وہاں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ مرابحہ اور اجارہ کے معاملات کم کرو اور رفتہ رفتہ ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کی طرف بڑھو اور جہاں ایسا نہیں کرتے وہاں سے میں رفتہ رفتہ الگ بھی ہور ہا ہوں اس واسطے کہ بس ہو گیا' ایک حیلہ کر لیا-- اپنی ساری سرگرمیاں اسی پر رہیں' یہ ٹھیک نہیں''۔

متذکرہ بالا معتدل اندازِ فکر کی بناء پر جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ سود کے متبادل کے طور پر تمویل کے اصل اسلامی متبادلات مشارکہ اور مضاربہ ہیں جن کا مروجہ اسلامی بینکاری میں خاطر خواہ حجم نہیں پایا جاتا بلکہ اس کی جگہ مرابحہ' اجارہ اور مشارکہ متناقصہ کے ذریعے بینکنگ سیکٹر میں جو طریقے اختیار کیے گئے ہیں وہ مقاصدِ شریعہ اور مثالی تمویلی طریقوں کو غیر موثر کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر سودی بینکاری کے لیے مشارکہ اور مضاربہ کی طرف انحصار بڑھایا جائے اور مرابحہ' اجارہ اور مشارکہ متناقصہ وغیرہ کو ان کی اصل شرعی شکلوں پر برقرار رکھتے ہوئے نظامِ بنکاری میں ان کے استعمال کے حوالے سے غیر مقبول حیلوں سے حتی الوسع بچا جائے۔

تاہم یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ بنکاری میں اسلامی تمویل کے حقیقی متبادلات کے اختیار کرنے میں موجودہ ''ماحول'' کی اصلاح کے لیے انقلابی اقدامات کی شدید ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک ایسے ماحول میں جہاں تاجر دوہرے کھاتے رکھتے ہوں' اپنا حقیقی منافع ظاہر کرنے سے گریزاں ہوں' نظامِ ٹیکس میں کرپشن عروج پر ہو' بینکوں میں جمع کرائی گئی رقوم کو بغیر احتیاطی تدابیر اختیار کیے ایسے کاروباری حضرات کے حوالے کرنا ایک ایسا خطرہ مول لینے کے مترادف ہوگا جس سے ادارہ اور کھاتہ دار دونوں متاثر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اندریں حالات ایسے معاہدات اور طریقے اختیار کرنا جن سے فکسڈ منافع کی توقع ہو' صرف اس شرط کے ساتھ قابلِ قبول ہوگا کہ انہیں شرعی طور پر شفاف (in letter & spirit) طریقوں کے مطابق ہی اختیار کیا جائے اور اُن حیلہ سازیوں سے بچا جائے جو اہلِ علم کے لیے سردست تشویش کا باعث ہیں۔

Question 11: What are the objectives of Islamic finance? Does the modern Islamic finance fulfill these objectives?

ترجمہ: اسلامی تمویل کے مقاصد کیا ہیں؟ کیا اسلامی تمویل کے جدید طریقوں سے یہ مقاصد پورے ہو رہے ہیں؟

جواب: اسلام کے مالی معاملات کے حوالے سے عہدِ حاضر کے ماہرین اور تجزیہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں کثرت سے اس بات پر زور دیا ہے کہ اس نظام کی بنیاد اخلاقی اقدار اور حصولِ مقاصدِ شریعت پر قائم ہونی چاہیے۔ ان سکالرز کے نزدیک' اسلام کے مالیاتی نظام کو درج ذیل اقدار اور مقاصد سے ہم آہنگ ہونا چاہیے:

i) سرمایہ داری اور ارتکازِ دولت کی حوصلہ شکنی

ii) سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی اور سرمایہ کاروں کے لیے منصفانہ منافع

iii) سماجی اور معاشی انصاف کی فراہمی

iv) حقیقی معاشی سرگرمی کا ماحول پیدا کرنے میں معاونت

۷) معاشرتی ذمہ داریوں میں شرکت

اگر افادیت اور مقاصد کے اعتبار سے' موجودہ اسلامی بینکنگ اور مالیاتی نظام کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں شریعت کے مقاصد جلیلہ اور اقدار کو وہ مقام نہیں دیا گیا جو ان کا حق تھا۔ بینک اپنی تمام تر توجہ کاروباری معاہدے کے فقہی اور قانونی پہلوؤں کے التزام پر مرکوز رکھتے ہیں' بجائے اس کے کہ افادیت اور مقاصد کو سامنے رکھا جائے۔ عمومی طور پر وہ اپنے لین دین میں مقاصد شریعت کے حصول کی بجائے شریعت کے صرف نواہی کا خیال رکھتے ہیں' جیسے کہ ربا' غرر' میسر' قمار (جوا) وغیرہ۔ یہ طرزِ فکر بعض اوقات حقیقی مقاصد کے حصول میں ناکامی کا باعث بنتا ہے۔ اسلامی بینک اپنے کاروبار میں کبھی کبھی حیلوں پر بھی انحصار کرتے ہیں' یعنی ایسے عذر اور حیلے اختیار کرنا جن سے اسلامی قانون کی گرفت سے بچا جا سکے۔ اس قسم کے طریقوں میں تورق' عینہ کی بنیاد پر سکوک اور کئی دوسرے لین دین شامل ہیں' جن کے ذریعے زیادہ سرمایہ جمع کرانے والوں کو منافع کی بلند شرح کے وعدے دلائے جاتے ہیں۔ ایسے سودے بظاہر ایک مؤثر قانونی معاہدے کی ضروریات پوری کرتے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد سے اسلامی مالیاتی نظام کے اصل اہداف تک رسائی ممکن نہیں رہتی۔ اس لئے کہ ایسے آلات زر بالبداہت کسی معاشی سرگرمی کا باعث نہیں بنتے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص منافع کے ساتھ سیالیت کی سہولت بھی فراہم کر دی جائے۔ بھاری رقوم جمع کرانے والوں کو "ہبہ" کے نام پر منافع کی تقسیم بھی ایک حیلہ ہی ہے۔

اسلامی بینک عموماً کسی قسم کی معاشرتی فلاح و بہبود میں حصہ نہیں لیتے' حالانکہ وہ آسانی کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ کرنٹ کھاتوں میں جمع شدہ بھاری رقوم کے فوائد میں سے کچھ حصہ مختص کر سکتے ہیں' جن پر وہ خود تو کثیر منافع کماتے ہیں لیکن کھاتے داروں کو کچھ ادا نہیں کرتے کیونکہ کرنٹ اکاؤنٹ کی حیثیت ایک طرح کے قرض کی ہوتی ہے جو رقم جمع کرانے والے کی جانب سے بینک کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا قرض دہندہ اس کے عوض کسی قسم کے نفع کا استحقاق نہیں رکھتا۔

اسلام کی روح سے ہم آہنگ اپنی ایک الگ شناخت بنانے کے لیے اسلامی بینکنگ کی زیادہ توجہ کسی معاہدے کے قواعد وضوابط اور قانونی موشگافیوں کے بجائے مقاصدِ شریعہ اور اقدار پر ہونی چاہیے۔ صرف اسی صورت میں ایک ایسا بینکنگ نظام وجود میں آئے گا جس کی بنیاد شریعت پر ہو اور وہ معاشرتی اہداف کے حصول کے اعتبار سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مصروف عمل ہو۔ لیکن اس کے لئے لازم ہے سودی بینکوں کے ساتھ "مقابلہ" کی کیفیت کا خاتمہ ہو' جو سود پر مکمل پابندی کے بغیر ممکن نہیں!

Question 12: What is the Islamic alternative to the present discounting of bills? Arethe modes used/practiced by the Islamic banks for discounting are in line with the spirit of Shariah?

ترجمہ: ہنڈیوں اور ٹریڈ بلز پر مروجہ ڈسکاؤنٹنگ کا اسلام کے مالیاتی نظام میں کیا متبادل ہے؟ اس حوالے سے اسلامی بینکوں کے اختیار کردہ طریقے کیا شریعت کی روح کے مطابق ہیں؟

جواب: بینکنگ کے روایتی (Conventional) نظام میں Discounting of trade bills ایک قدرے سہل اور سادہ نظام ہے لیکن چونکہ یہ نظام متعین شرح سود پر قائم ہے اس لیے اسے من وعن اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ روایتی طریقہ کار کے مطابق کوئی مالیاتی ادارہ کسی تجارتی بل میں کٹوتی کر کے بل کے حامل شخص کو ایک ایسی رقم دیتا ہے جو اس بل کی قدر عرفی سے کم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہ ادائیگی بل کی مدت مکمل ہونے سے پہلے کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک بل جس کے عوض تین ماہ کے بعد 100000 روپے ادا کرنا ہیں' قبل از وقت ادائیگی کی صورت میں بینک اس کے عوض 90000 روپے دے گا۔ یہ صریحاً ربا ہے' جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

آج کا اسلامی بینک کٹوتی کے بجائے 100000 روپے کا تجارتی بل وصول کر کے اس کی مدت تکمیل' مثلاً تین ماہ تک اسے بطور ضمانت اپنے پاس رکھتا ہے۔ گاہک کے ساتھ 90000 روپے میں مرابحہ کا الگ معاہدہ کیا جاتا ہے' جس میں خریدار کو اصل لاگت 90000 روپے کے ساتھ منافع کا حصہ تقریباً 10000 روپے' ملا کر مقررہ مدت کی تکمیل پر 100000 روپے ادا کرنا ہوتے ہیں۔ یہ عرصہ اس تجارتی بل کی مدت سے مطابقت رکھتا ہے جسے بطور ضمانت قبول کیا گیا ہوتا ہے۔ تجارتی بل کی مدت مکمل ہونے پر' بینک اجراء کنندہ یعنی خریدار کے مقروض شخص سے بل وصول کرتا ہے۔ یہ رقم اس ادائیگی میں استعمال ہوتی ہے جو مرابحہ کے تحت مقررہ مدت کی تکمیل پر گاہک کو واجب الادا ہوتی ہے۔

اس ضمن میں ایک اور مروجہ طریقے کے تحت' اسلامی بینک بل کی کٹوتی کے بجائے خریدار کو اسی مالیت کا قرض حسنہ دیتے ہیں۔ پھر اسی خریدار کے نمائندے کی حیثیت سے اجراء کنندہ یعنی خریدار کے مقروض شخص سے بل وصول کرتے ہیں اور اس خدمت کے عوض محنتانہ طلب کرتے ہیں۔ اگرچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے کٹوتی کے متبادل کے طور پر اس طریقہ کار کی توثیق کر دی ہے' تاہم اسلام کے مالی معاملات پر گہری نظر رکھنے والے سکالرز اس ترکیب کے شرعی جواز پر حقیقی نوعیت کے تحفظات رکھتے ہیں۔

کٹوتی کے حوالے سے تیسری صورت یہ رائج ہے کہ اسلامی بینک تجارتی بل کے حامل شخص کے ساتھ بیع سلم (مستقبل میں حوالگی) کا معاہدہ کر لیتے ہیں۔ بینک اس شخص سے بل کی مالیت' مثلاً ایک لاکھ روپے کے لیے 1000 ڈالر حاصل کر کے انہیں بینک کے حوالے کر دیتا ہے۔ بینک یہ ڈالر مارکیٹ میں موجود قیمت پر بیچ دیتا ہے۔ معاہدہ کرتے وقت اور اس کی تکمیل پر ڈالر کی قدر میں جو فرق ہوتا ہے۔ وہ منافع کی صورت میں بینک کے پاس آ جاتا ہے۔

اس قسم کی سوداکاری کے پیچھے یہ مفروضہ کارفرما ہے کہ موجودہ دور میں مستعمل کاغذی کرنسی اصل میں کوئی سکہ نہیں ہے' لہٰذا اس پر ربا الفضل کے اصول کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ یوں شرعی طور پر دو کرنسیوں کے تبادلے میں تاخیر کی اجازت مفروض ہوتی ہے۔ یہ دلیل کاغذی کرنسی سے متعلق امت مسلمہ کے مجموعی نقطۂ نظر سے متصادم ہے۔ فقہ کے تمام قابل ذکر ادارے اس بات پر متفق ہیں کہ عملی مقاصد کے لیے کاغذی کرنسی کی حیثیت درہم اور دینار کی طرح ہے۔ لہٰذا رقم کے تبادلے کی مدت میں کسی قسم کی تاخیر یا اضافہ ربا ہی کے ذیل میں شمار ہوگا۔

ہماری رائے میں اسلامی بینکوں کے ٹریڈ بلز کی ڈسکاؤنٹنگ کے مذکورہ بالا طریقے اسی وقت حقیقی "اسلامی" بن سکیں گے جب کنونشنل بینکوں کے سودی طریقے قانوناً ممنوع قرار پا جائیں گے اور بینکوں پر سے وہ پابندی ہٹا دی جائے گی جس کی بنا پر بینک آج صرف ایک financial intermediary ہی بن سکتا ہے اور عملی طور پر تجارت نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں بینک کسی KIBOR یا LIBOR کا پابند نہیں ہوگا بلکہ مارکیٹ میں مروج تجارتی شرح منافع کے معیارات کا پابند ہوگا۔ اس لیے کہ اسلامی نظام میں بینک عملاً بھی تجارتی سرگرمیوں کا مرکز ہوگا۔

Question 13: Are the priority banking services given to current account holders in conformity with the principles of Shariah?

ترجمہ: کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے والوں کے حق میں بینک اپنی خدمات کی فراہمی کے ضمن میں جو ترجیحی سلوک روا رکھتا ہے کیا وہ شریعت کے اصولوں کے مطابق ہے؟

جواب: رسول اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مقروض کوئی ہدیہ یا تحفہ قرض خواہ کو کسی بھی شکل میں پیش کرے۔ شریعت میں قرض کی بنا پر ایسے کسی ترجیحی سلوک کی گنجائش نہیں، یہاں تک فرمایا کہ اگر ایسا کیا جائے گا تو یہ بھی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ربا قرار پائے سوائے اس کے کہ مقروض اور قرض خواہ کے مابین ہدیوں اور تحائف کا لین دین معاہدۂ قرض سے پہلے بھی ہوتا ہو! چونکہ کرنٹ اکاؤنٹ کے لیے کیے گئے معاہدے کے تحت رقم جمع کرانے والے اور بینک کے درمیان تعلق بالترتیب قرض خواہ اور قرض دار کا ہوتا ہے۔ لہٰذا بینک (جس کی حیثیت قرض لینے والے کی ہے) کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کرنٹ کھاتے دار کو ایسا کوئی اکاؤنٹ رکھنے کے عوض سامان کی شکل میں تحفے، مالی ترغیبات، خدمات یا ایسے فوائد دے جن کا جمع کرائی گئی/نکلوائی گئی رقم سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ان ترغیبات میں مختلف اخراجات سے مکمل یا جزوی استثناء شامل ہے جیسا کہ کریڈٹ کارڈ چارجز، ڈیپازٹ بکس، رقم کی منتقلی، لیٹر آف گارنٹی، لیٹر آف کریڈٹ۔ البتہ ایسی ترغیبات جو صرف کرنٹ کھاتوں سے متعلق نہیں ہیں، ان پر اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔

Question 14: If all transactions based on Interest are declared prohibited to Islamic injunctions. what procedure will be adopted with regard to previous foreign loans, past transactions and agreeements with non Muslims and Muslims countries?

ترجمہ: اگر انٹرسٹ پر مبنی معاملات اور قوانین کو غیر اسلامی قرار دے دیا جائے تو ماضی میں بیرونی ممالک سے جو قرضے لیے گئے تھے اور مسلم و غیر مسلم ممالک سے جو مالی معاہدے کیے گئے تھے ان کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے؟

جواب: اصولی اور نظری اعتبار سے ان میں سے جو قرضے اور مالی معاہدات سودی لین دین پر مبنی ہیں وہ حرام ہیں کیونکہ قرآن وسنت کے احکام کی خلاف ورزی کر کے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا عہد توڑ کر کوئی معاہدہ کرنا اور پھر اس معاہدے کو پورا کرنا حرام ہے۔ لہٰذا اس حرام سے بچنے کے لیے ایک مسلمان کے لئے شرعاً ایسے معاہدہ کو توڑ دینا واجب ہے۔ ایسے معاہدات اور بین الاقوامی قرضے جن میں سود کی ادائیگی شرط ہے ان کے باطل اور فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما بال اقوام یشترطون شروطًا لیست فی کتاب اللّٰہ: من اشترط شرطًا لیس فی کتاب اللّٰہ فلیس له و ان اشترط مائة مرة۔

(صحیح البخاری، کتاب الصلاة، رقم: ٤٥٦)

کیا بری حالت ہے ان لوگوں کی جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں جائز نہیں ہیں۔ جس نے بھی کوئی ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب میں جائز نہ ہو تو اس کی یہ شرط پوری نہ کی جائے گی اگرچہ اس نے سو مرتبہ لگائی ہو۔

حضرت عمر فاروق اور ان کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

کل شرط خالف کتاب اللّٰہ فھو باطل، و ان اشترط مائة شرط۔

(صحیح البخاری، کتاب الشروط، رقم: ٢٧٣٤)

جو شرط اللہ کی کتاب کے خلاف ہو وہ باطل ہوگی اگرچہ سو مرتبہ لگائی گئی ہو۔

مذکورہ روایات سے یہ بات بے غبار ہو جاتی ہے کہ سودی لین دین کی شرط سے کیے گئے بین الاقوامی معاہدات قرض، عقود فاسدہ اور باطلہ کے زمرے میں آتے ہیں جن کو توڑنا واجب ہے۔

امام بخاری نے کتاب العلم میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ''باب اذا اصطلحوا علی جور فھو مردود'' یعنی اس بارے میں باب کہ جب فریقین خلاف شریعت شرائط پر صلح کر لیں تو یہ معاہدہ کالعدم ہوگا۔ انہوں نے ایسے مردود اور باطل معاہدوں کے کالعدم ہونے پر یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص کے ملازم نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا تھا۔ زانی کے والد نے سو بکریوں اور ایک لونڈی کے بدلے میں صلح کروالی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لاقضین بینکما بکتاب اللّٰہ، اما الولیدة و الغنم فرد علیك، و علی ابنك جلد مائة و تغریب عام، و اما انت یا انیس لرجل فاغد علی امراة ھذا فارجمھا، فغدا علیھا انیس فرجمھا۔

(صحیح البخاری، کتاب الصلح: رقم ٢٦٩٥)

میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے ذریعے فیصلہ کروں گا، ایک لونڈی اور تمہاری بکریاں تمہیں واپس کردی جائیں گی۔ اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال ملک بدر کیا جائے گا اور اے انیس تو کل صبح صبح اس عورت کے پاس جاؤ اور اس کو رجم کرو، حضرت انیس اس کے پاس گئے اور اسے رجم کردیا۔

ان ارشادات مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب وسنت میں جن عقود، معاہدات اور عہدوں کو پورا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ان میں وہ معاہدات اور عقود شامل نہیں جو فاسد شرائط کی وجہ سے مردود اور باطل قرار پاتے ہیں۔ سودی لین دین پر مبنی معاہدات بھی اسی قبیل سے ہیں۔

وفاقی شرعی عدالت بھی قانون معاہدہ 1972ء کی دفعہ 23 کے بارے میں 20 اکتوبر 1983ء کو فیصلے دے چکی ہے کہ دفعہ 23 میں اس معاہدے کو بھی کالعدم قرار دیا جائے جو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی رو سے ممنوع ہو اور سپریم کورٹ کی شریعت بنچ نے بھی دفعہ 23 کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے حکم کی توثیق کی ہے۔ یہ فیصلہ زیر بحث مسئلے میں بھی نظیر بن سکتا ہے اس لیے کہ سود دینے یا لینے کا معاہدہ بھی قرآن وسنت کے خلاف ہے لہٰذا کالعدم ہونا چاہیے۔

ان معاہدات کو کیسے ختم کیا جائے؟

جب اصولی اور نظری طور پر یہ طے پا گیا کہ سود یعنی ربا ناجائز اور حرام معاملہ ہے اور کسی مسلمان فرد یا مسلم مملکت کو یہ جائز نہیں کہ وہ ربا کی بنیاد پر کسی مسلمان یا غیر مسلم کے ساتھ کوئی معاہدہ کرے تو اب نجی یا ملکی سطح پر ماضی میں کیے گئے سودی معاہدات کا معاملہ شرعی سے زیادہ سٹریٹیجک اور طریقہ کار کی نوعیت کا ہوگا، جو ملکی حالات، اندرونی و بیرونی قرض خواہوں کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے اور ان کے ساتھ کئے گئے معاہدات کی تفصیلات کے اعتبار سے تقدیم وتاخیر اور جزئیات میں ایک دوسرے سے جزوی طور پر مختلف ہو سکتا ہے۔ البتہ مندرجہ ذیل اقدامات ناگزیر ہوں گے۔

1۔آئندہ کے لیے طے کردیا جائے کہ نہ اندرونِ ملک اور نہ ہی بیرونِ ملک سے کسی بھی قسم کا سودی معاملہ کیا جائے گا۔

2۔یہ بھی طے کردیا جائے کہ اندرونِ ملک سے جو سودی معاہدات روبعمل ہیں انہیں اصل زر کی حد تک honour کیا جائے گا اور سود کی clause کو آئندہ سے ختم تصور کیا جائے گا۔

3۔سرکاری قرضوں کے اوپر نہ سود دیا جائے گا اور نہ ہی لیا جائے گا۔

4۔بنک اپنے کھاتہ داروں کو شراکت و مضاربت کی بنیاد پر منافع میں سے حصہ ادا کرے گا۔

5۔حکومت اپنے جاری اخراجات اور developmental projects کے لیے اگر عوام سے مختلف بانڈز اور سیکورٹیز کے نام پر رقم حاصل کرنا چاہے گی تو وہ رقم صرف غیر سودی بنیادوں پر حاصل کی جاسکے گی۔

6۔بیرونی قرضوں کے ضمن میں یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ بیرونی قرض خواہوں سے اس بات پر negotiate کیا جائے کہ چونکہ سود قانوناً ممنوع قرار پایا جاچکا ہے اس لیے ہم سود دینے سے معذور ہیں لہٰذا وہ ہمارا سود معاف کردیں اور اصل زر کی واپسی کے لیے ایک ٹائم فریم طے کرلیا جائے۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو انہیں dept-for-equity swap کی طرز کی آپشنز دی جائیں جس کے ذریعے وہ اپنے اصل زر اور متوقع اضافے کا مقصد پورا کرسکیں۔ البتہ آئندہ بیرونی ذرائع سے بھی کوئی سودی قرضہ حاصل نہ کیا جائے اور اس کے لیے اپنے وسائل پر ہی تکیہ کیا جائے اور اخراجات میں drastically کمی کی جائے تاکہ ملک کو قرضوں کے اس چنگل (ٹریپ) سے رفتہ رفتہ نکالنے کا اہتمام ہوسکے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ قرض کی اصل رقوم کی جلد از جلد ادائیگی کا بندوبست کیا جائے اور حتی الوسع کوشش کی جائے کہ سود کی رقم سے چھٹکارا مل جائے۔ تاہم اگر بین الاقوامی مالیاتی قوانین کے تحت سود کی رقم کی ادائیگی ناگزیر ہو اور عدم ادائیگی کی صورت میں کسی بڑے فساد کا اندیشہ ہو تو یہ ادائیگی بھی بکراہت کردی جائے کیونکہ ایسے عقد مردود سے باہر آنا بے حد ضروری ہے جبکہ آئندہ ایسے عقد سے مجتنب رہنا تو بالکل واضح ہے۔

متعدد عالمی قوانین مثلاً غیر جمہوری حکومتوں کی طرف سے لیے گئے قرضوں سے قوم کی بریت وغیرہ سے فائدہ اٹھا کر بھی سودی رقم معاف کرانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح لمبی مدت تک قرض کی واپسی کی بجائے دو تین بڑی اقساط کی صورت میں ادائیگی کی کوشش پر بھی سودی رقم کو جزوی یا کلی طور پر ختم کروایا جانا بھی ممکنات میں سے ہے۔ یہاں یہ بھی سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ حکومت آئندہ سودی قرضوں کے حصول سے کیسے رک سکتی ہے جبکہ ملکی معیشت کی حالت دگرگوں ہے؟ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت کو خود انحصاری کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کے لیے درج ذیل خطوط پر ٹھوس منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔

A۔ملکی وسائل اور ذخائر کا اپنی پالیسیوں کے تحت درست سمت میں بھرپور استعمال۔ مثلاً اگر دیانتداری سے کام لیا جائے تو پاکستان میں ہائیڈرو، ونڈ، سولر، کول، ایٹمی جیوتھرمل و دیگر ذرائع سے پانچ سے دس سال کی مدت میں 60 ہزار میگا واٹ بجلی بنائی جاسکتی ہے۔ تھرکول، ریکوڈک، سینڈک و دیگر قیمتی ذخائر کو استعمال میں لاکر قوم کی قسمت بدلی جاسکتی ہے۔

B۔شاہانہ اخراجات اور خسارے کی سرمایہ کاری، بجٹ کے خسارے اور تجارتی خسارے کا خاتمہ۔

C۔کرپشن پر قابو کیا جائے۔ اس وقت 1000 ارب روپے سے زیادہ کی کرپشن اور ٹیکس چوری ہے۔

D۔حکمرانوں، سیاست دانوں اور افسران کے بیرونی ملک اکاؤنٹس کی ملک میں واپسی سے سرمائے کی قلت پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

E۔لوٹی ہوئی دولت کی بازیابی۔ اب عالمی قوانین معاون بھی ہیں کم از کم 150 ارب ڈالر رقم واپس مل سکتی ہے۔

F۔بیرون ملک پاکستانیوں سے تعمیر وطن کے لیے زرمبادلہ فراہم کرنے کی اپیل۔

G۔زکوٰۃ اور ٹیکسز کی بلاامتیاز مؤثر وصولیوں کا معتدل نظام۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حکومت ایسے قرض اضطراری حالت میں لیتی ہے لہٰذا ”الضرورات تبیح المحظورات“ اور ”ما أبیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا“ کے شرعی قواعد کے تحت بین الاقوامی سودی معاہدوں اور ان کی بنیاد پر سود کی ادائیگی کی اجازت دی جاسکتی ہے تو ہمیں اس منطق سے اس لیے اتفاق نہیں ہے کہ ان شرعی قواعد کے اطلاق کے لیے جو شرائط شریعت نے مقرر کی ہیں وہ یہاں مفقود ہیں۔

☆☆☆

اہم اعلان

بسلسلہ کُلّیۃ القُرآن لاہور (قرآن کالج)

داخلے کے خواہشمند طلبہ اور ان کے والدین نوٹ فرمالیں کہ بعض انتظامی اور درسی وجوہ کے پیشِ نظر کلیۃ القرآن میں نئے داخلوں کی پالیسی میں اہم تبدیلیوں کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس فیصلے کے مطابق اس سال سے:

1 صرف میٹرک پاس طلبہ کو داخلہ دیا جائے گا۔
2 داخلے رمضان المبارک کی 15 تاریخ تا شوال کی 5 تاریخ جاری رہیں گے۔
3 داخلے کا امتحان (ایڈمیشن ٹیسٹ) 9 جولائی 2016ء کو صبح دس بجے ہوگا۔
4 داخلہ ٹیسٹ میں کامیاب طلبہ 11 جولائی سے باقاعدہ کلاسز کا آغاز کریں گے۔
5 مفت رہائش، کھانے اور مفت تعلیم کی سہولت صرف مستحق اور ذہین طلبہ کو دی جائے گی۔

المعلن: پرنسپل کلیۃ القرآن، اتاترک بلاک، نیو گارڈن، لاہور

رابطہ: 0301-4882395 042-35833637

Education: From an Islamic Perspective

<u>Written by:</u> Ms. T. Sheikh

An institute of modern day society, education is considered to be an essential part of our lives. But have we ever wondered what education really is?

Education, from an Islamic perspective is a balance between physical & spiritual knowledge. An understanding of this world leads to an understanding of the hereafter. Worldly knowledge and Religious knowledge are incorporated in a manner where physical sciences are used to grasp an understanding of the unseen spiritual aspects of Islam. And in turn Islamic teachings are to be executed in society in order for it to be balanced.

Formal educational degrees of today focus on the needs of bureaucratic organizations, which is to provide technical education. Is that the only function of our institutes?

Religious morality, Familial and Societal obligations are all elements that are devoid from our academic centers.

The overwhelmingly prevalent concept is to obtain education for economic survival, however it is not for survival we are taught to achieve more but for upward social mobility. At face value it may not be apparent, but educational institutes of today circle around the notion of monetary wealth.

The youth of today from an early stage are being programmed to run after wealth, status and power as our factories of knowledge focus too much on upward social mobility.

Children are taught to achieve high grades, not for the purpose of attaining knowledge but in order to gain a successful future. We are showing our youth an ideal utopia, where achieving worldly success is the ambition of life. The issue is not education; the problem lies within the institutions that provide this education.

We cannot fully measure the effects institutes have on the development of an individual until we clearly understand the concept of socialization. Socialization is the process that involves training of an individual from an early stage in childhood. At first only the family had been responsible for upbringing a child, however as our societies developed this function was taken over by the educational systems. (Schools, Colleges etc.)

Individuals during this time of development create their identities around what they are surrounded with, which in our post modern societies would be the environment of our institutes. Here the "Surrounding Culture" is being adopted.

Culture is no longer restricted to one's "locality", culture has evolved from various different ways of life to one common way of living. This "evolved culture" has spread its tentacles in different directions (different societies and countries) and absorbed them into the one world/one society phenomenon.

What harm does this "Globalized culture" bring into our Islamic community? This culture is based on western ideals hence it is a package that includes secularist values, liberalist ideas, radical feminism and the neutrality & acceptance of homosexuality.

Secularism confines religion, driving it out from the public sphere and enclosing it into the private sphere. So that religion only remains a social aspect that defines an individual's private belief. When our code of life is to be based according to our religion, how can we then drive religion out of our societal affairs?

The idea of a balanced society remains a vision that is so far out of reach that it becomes an unattainable utopia. Our educational institutes play the role of maintaining these pro-secularist values that are locked into our societies with a culture that safeguards its throne. And as

continue to disintegrate into vessels for corruption, greed, inhumanity and lust for power.

Liberalistic ideals tie in with secularist values. When society no longer has religion as its fundamental base, then man replaces the code of life given by Allah *(SWT)* with his own imperfect design.

Liberalism preaches the idea of freedom for man, but what type of freedom does it evoke? Freedom does not always imply a positive notion of independence. While man has free will, do we Muslims have the freedom to live our lives as we please? We Muslims are bound by the limitations and restrictions placed on us by Allah *(SWT)*. This theory of liberalism breaks all the boundaries and limitations placed on man. When man makes his own rules, he becomes his own "god".

Then why are we surprised when our society has fallen under the vices of man? And institutes imbruing these values into our future generations are not only disrupting but poisoning our societies. When the world is based on these ideals, then notions of homosexuality and its acceptance do not stay far behind. Here boundaries of religion are not only eliminated but boundaries of nature are also incised. Gender barriers are broken because man is free to 'choose' whoever and whatever he pleases.

These are the consequences of man's code of life, a polluted society will reproduce abnormalities. The pipeline is still unplugged, western globalized culture submisses our youth into acceptance subconsciously and that is enough to destroy our rickety unsound communities.

And the tap is still unfastened, the tawny water still gushes out washing away our religion, polluting our communities and drowning us in the everlasting cycle of our disintegration, as not only Muslims but human beings.

> "These are the people who buy the life of this world at the price of the Hereafter" *(Al-Baqara, verse 86)*

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

امیر حلقہ جنوبی پنجاب کا دورہ تونسہ ولیہ

امیر حلقہ جنوبی پنجاب جناب محمد طاہر خاکوانی اور راقم الحروف دو روزہ دورہ تونسہ شریف ولیہ کے لیے مورخہ 6 فروری 2016ء کو کامران فاروق بھائی نائب ناظم قرآن اکیڈمی اور ناظم جناب جام عابد حسین کے ہمراہ تونسہ میں رہائش گاہ رضا محمد گجر پہنچے۔ نماز ظہر کے بعد منگروٹھہ غربی گئے۔ جہاں رفیق تنظیم تونسہ جناب رستم جہانگیر نے اپنی بستی میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر ایک اجتماع عام کا انتظام کر رکھا تھا۔ رفیق محترم نے اِسی جگہ اپنی کوششوں سے مسجد اقصیٰ کا سنگ بنیاد رکھا ہے جس کا ایک کمرہ مکمل ہو چکا ہے اور اس میں باقاعدہ نماز پنجگانہ بھی ادا ہو رہی ہے۔ مسجد کے تمام انتظامات وہ خود سنبھالتے ہیں۔ اڑھائی بجے تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد جام عابد حسین نے سرائیکی زبان میں ایک گھنٹہ کا خطاب کیا، جس میں ''ایک بندہ مومن'' اور ''مومن کے اوصاف'' بیان کیے۔ اُن کے بعد امیر حلقہ نے سرائیکی زبان میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایک گھنٹہ کا خطاب فرمایا۔ جس میں حضور ﷺ کے اوصاف، اُن کا مشن اور نبوی انقلاب پر گفتگو کی۔ انہوں نے ایک بندہ مومن کو اپنے کردار و اخلاق کو سنت نبوی سے جوڑنے، اتباع کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ عصر کی نماز کے بعد اسرہ کے رفقاء سے ملاقات ہوئی اور انہیں تنظیمی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی طرف سے توجہ دلائی گئی اور سود کے خلاف مہم سے بھی آگاہ کیا گیا۔ نماز مغرب کے بعد محلّہ مہاجرین میں مسجد اقصیٰ میں سورۃ المعارج کی آیات کی روشنی میں امیر حلقہ نے درس قرآن دیا۔ نماز عشاء کے بعد رات کا قیام نقیب اسرہ تونسہ کے گھر ہوا۔ اس حلقہ میں تقریباً 150 خواتین و مرد حضرات نے شرکت کی۔

اگلے دن صبح نماز فجر کے بعد امیر حلقہ نے ایک مسجد میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے سورۃ المعارج کی آیات کی روشنی میں جس میں بندہ مومن کے کردار کی پختگی کے حوالے سے گفتگو کی۔ ساڑھے دس بجے جامع مسجد مدنی محلّہ شاہ عالمی میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر امیر حلقہ کا خطاب ہوا۔ جس میں 80 کے قریب لوگ شریک ہوئے۔ نماز ظہر کے بعد ڈیڑھ بجے تونسہ سے لیہ کے لیے روانگی ہوئی۔ ساڑھے تین بجے مہر غلام رسول کے گھر پہنچے۔ نماز عصر کے بعد وکلاء کالونی لیہ میں قائم مرکز تنظیم اسلامی گئے، جو کہ صادق علی چودھری نے 10 مرلہ کے رقبہ پر بنوایا ہے۔ امیر حلقہ کا تنظیم کے اس مرکز میں پہلا خطاب تھا۔ نماز مغرب کے بعد امیر حلقہ نے سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایک گھنٹہ کا خطاب فرمایا۔ تقریباً 60 سے 70 افراد نے اس میں شرکت کی۔ نماز عشاء کے بعد پونے نو بجے واپس ملتان کے لیے روانگی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی محنتوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین (مرتب: شوکت حسین انصاری)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دعائے مغفرت

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

☆ مقامی تنظیم گڑھی شاہو لاہور کے رفیق جاوید اقبال کا بھانجا وفات پا گیا۔

☆ امیر تنظیم اسلامی ملتان شہر جناب محمد عرفان بٹ کی ساس وفات پا گئیں۔

☆ رفیق تنظیم ملتان غربی جناب محمد اکرم تھیم کے والد وفات پا گئے۔

☆ حلقہ خواتین ملتان کی ناظمہ میڈم صغراں خاکوانی کے خاوند بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

VOL : 25 | Regd. C.P.L NO. 114 | No.07
Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore